(۷)

ستودہ بہر زبان و نامور بہر دیار، نواب صاحب صاحب شفیق کرم گستر، مرتضوی تبار، نواب میر غلام بابا خاں بہادر کو مسرت بعد مسرت و جشن مبارک ہو ہمایوں ہو۔ رقعہ گلوں نے بہار کی سیر دکھلائی، بسواریِ ریل روانہ ہونے کی لہر دل میں آئی۔ پانو سے اپاہج، کانوں سے بہرہ ضعف بصارت، ضعف دماغ ضعف دل ضعف معدہ، ان سب ضعفوں پر ضعف طالع۔ کیونکر قصد سفر کروں؟ تین چار شبانہ روز قفس میں کس طرح بسر کروں! گھنٹہ بھر میں دو بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ ایک ہفتے دو ہفتے کے بعد نا گا قولنج کے دورے کی شدت ہوتی ہے۔ طاقت جسم میں، حالت جان میں نہیں، آنا میر اسورت تک کسی صورت خیز امکان میں نہیں۔

خط لکھتے لکھتے خیال میں آیا کہ سید صاحب کی ولادت کی تاریخ لکھی۔ سیدانی صاحبہ کی بسم اللہ کی تاریخ بھی لکھا چاہیے۔ مادہ خجستہ بہار، ذہن میں آیا ہے۔ سات عدد کم پائے۔ خجستہ۔ بہار پر ادب کے اعداد بڑھائے۔ شمار میں ۱۲۸۳ نظر آئے۔ دوسرے ورق پر وہ قطعہ مرقوم ہے۔ بوڑھے کی فکر کی طاقت معلوم ہے۔ صرف جوش محبت سے چار مصرعے موزوں ہوئے ہیں:

گر قبول افتدز ہے عز و شرف

۱۴۔ نومبر ۱۸۶۶ء

راقم اسد اللہ خاں غالب

سیف الحق صاحب کو سلام ایک میرے دوست مصور خاکسار کا خاکہ اتار کر۔

دربار کا نقشہ اتارنے کی اکبرآباد گئے ہیں۔ وہ آجائیں تو شغل تصویر پر تمام ہو کر آپ کے پاس پہنچ جائے۔ خط ازرہ احتیاط بیرنگ بھیجا جاتا ہے۔

قطعہ:

خجستہ جشن و بستان نشینی بیگم
بفیض ہمت نواب و یمن اقباش
چو از پئے ادب آموزی است خوش باشد
اگر خجستہ بہار ادب بود سالش

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۸)

نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، عالیشان، والا دومان زادمجدکم

سلام مسنون الاسلام و دواے۔ دوام دولت و اقبال کے بعد عرض کیا جاتا ہے کہ ان ایام میمنت فرجام میں جواز روے اخبار ممبئی آپ کی افزائش عز و جاہ کے حالات معلوم ہوئے۔ متواتر شکر الٰہی بجالایا اور اس ترقی کو اپنی دعا کا نتیجہ جان کر اور زیادہ خوش ہوا۔ خصوصاً عدالت العالیہ میں فتح پانا اور حق حقیقی کا ظہور میں آنا۔ کیا کہوں (کیا) مسرت و شادمانی کا موجب اور کس طرح نشاط و انبساط کا سبب ہوا۔ ہے۔ حق تعالیٰ یہ فتح مبارک و ہمایوں کرے۔[۱] قطعہ

فتح	سید	غلام	بابا	خاں
خود	نشان	دوام	اقبال	است

بہار باجاہ و جلال جاوداں باد!

مارچ ۱۸۶۷ء اسد اللہ غالب

---

[۱] یعنی ریل کی سواری میں تین چار روز تک کیوں کر ڈبے کے اندر بیٹھا رہوں؟ غالب کے کمالِ تحریر کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ ضمناً اپنے عہد کے حالات بتا جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ریل اس وقت دہلی سے تین چار روز میں سورت پہنچتی تھی۔

(۹)

نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، عنایت فرمائے مخلصاں، زاد مجدہ،

شکر یاد آوری و رواں پروری بجالاتا ہوں۔ پہلے اس سے آپ کا جو مودت نامہ پہنچا ہے۔ وہ میرے خط کے جواب میں تھا۔ اکا جواب نہیں لکھا گیا۔ پرسوں میاں سیف الحق کا خط پہنچا۔ خط کیا تھا خوان دعوت تھا۔ میں نے کھانے بھی کھائے۔ میوہ بھی کھائے۔ ناچ بھی دیکھا۔ گانا بھی سنا۔ خدا تم کو سلامت رکھے کہ اس نالائق درویش گوشہ نشین پر اتنی عنایت کرتے ہیں۔

صاحب، ریاست و امارات میں ایسے جھگڑے بہت رہتے ہیں۔ بسبب فرط محبت اخبار میں تمہاری افزایش عزہ جاہ دیکھ کر خوش ہوا اور تم کو تہنیت دی۔ ظفر نامہ ابد بت مبارک لفظ ہے۔ ان شاء اللہ العلی العظیم ہمیشہ مظفر و منصور رہو گے۔

کارت بجہاں جملہ چناں باد کہ خواہی

سہ شنبہ ۳۔ اپریل ۱۸۶۷ء نجات کا طالب غالب

(۱۰)

جناب سید صاحب قبلہ!

بعد بندگی عرض کرتا ہوں کہ عنایت نامہ آپ کا پہنچا۔ آپ جو فرماتے ہیں کہ تو اپنی خیریت کبھی کبھی لکھا کر۔ آگے اتنی طاقت باقی تھی کہ لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ طاقت بھی زائل ہوگئی ہے۔ ہاتھ میں رعشہ پیدا ہوگیا۔ بینائی ضعف ہوگئی۔ متصدی نوکر رکھنے کا مقدور نہیں۔ عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی صاحب وقت پر آ گئے تو میں مطلب کہتا گیا۔ وہ لکھتے گئے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ کل آپ کا خط آیا۔ آج ہی ایک دوست میرا آ گیا۔ کہ یہ چند سطریں لکھوا دیں اور یہ آپل کبھی نہ فرمائیں کہ منشی میاں داد خاں سے مجھے قطع محبت ہوگیا ہے۔ منشی صاحب کی محبت اور ان کے توسط سے آپ کی محبت دل و جان میں اس قدر سما گئی ہے۔ جیسا اہل اسلام میں ملکہ ایماں کا۔ پس ایسی محبت کا موقوف ہونا کبھی ممکن نہیں۔

ا یہ ایک خاندانی مقدمے میں کامیابی کا ذکر ہے۔ جیسا کہ اگلے خط سے ظاہر ہے۔

امراض جسمانی کا بیان اور اخلاص ہمہ گر کی شرح کے بعد ہجوم ہائے نہانی کا ذکر کیا کروں۔ جیسا ابر سیاہ چھا جاتا ہے۔ یا ٹڈی دل آتا ہے۔ بس اللہ ہی اللہ ہے۔ سیف الحق منشی میاں داد خاں کو سلام کہیے گا۔ اور یہ خط پڑھا دیجئے گا۔

روز چہار شنبہ ۶۔ اپریل ۱۸۶۸ء نجات کا طالب غالب

نواب ابراہیم علی خاں وفا

ان کے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ میرزا محمد عسکری نے انھیں سورت کا رئیس بتایا ہے۔ ممکن ہے نواب میر غلام بابا خاں کا اور ان کا خاندان ایک ہو۔ یہ بڑودہ میں رہتے تھے اور وہاں جاگیر بھی ملی ہوئی تھی۔ میر عالم خاں کے حقیقی یا رشتے کے بھائی تھے۔ سید احمد حسن مودودی بھی ان سے وابستہ تھے۔

(۱)

پیرومرشد جناب سید ابراہیم علی خاں کو بندگی۔ غزل پہنچتی ہے۔ خط از روے احتیاط بیرنگ بھیجا ہے۔ قبلہ! آپ کے بھائی میر عالم خاں صاحب مجھ پر کیوں خفا ہیں کہ اپنی غزل نہیں بھیجتے۔ یہ امر ان کے خاطر نشاں ہو جائے کہ غالب آپ کے دادا کا غلام اور خدمت بجالانے کو آمادہ ہے۔

نہم ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ

(۲۱۔ جولائی ۱۸۶۶ء)

نجات کا طالب، غالب

(۲)

ولی نعمت کو غالب کی بندگی۔

بسبب ضعف پیری کے خدمت گزاری میں درنگ واقع ہو جائے تو معاف رہوں۔ کبھی قاصر نہ رہوں گا، ان شاء اللہ العظیم دو غزلوں میں سے ایک غزل بعد اصلاح پہنچتی ہے۔ دوسری غزل ہفتہ آیندہ میں پہنچ جائے گی۔ ضعف اعضا اور دوام مرض سے علاوہ اختلال حواس کا کیا حال لکھوں۔ دو تین دن ہوئے کہ قبلہ و کعبہ میر عالم علی خاں کا خط آیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ آرزو تخلص کی دو غزلیں اصلاحی پہنچیں۔ دیکھیے اس سہو کو کس غزلیں کس کو پہنچیں۔ مزا اس میں ہے کہ اب یہ بھی یاد نہیں آتا کہ آرزوہ کا نام کیا ہے۔ اور وہ کون ہے اور کہاں کا ہے۔ شاید اس بندہ خدا کو حضرت کی غزلیں بھیجی ہوں گی۔ خدا کرے وہ بزرگوار میر صاحب کی غزلیں میر صاحب کی طرح میرے پاس بھیج دے تو میر صاحب میں بھیج دوں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ان غزلوں کو جواب آئی ہیں۔ دیکھوں گا۔ یہ اکہتر برس کی عمر کی خوبی ہے۔ آپ میر صاحب قبلہ کو خط پڑھوا دیجیے گا۔

۲۰۔ اکتوبر ۱۸۶۶ء

لطف و کرم کا طالب، غالب

(۳)

سید صاحب قبلہ نواب میر ابراہیم علی خاں بہادر کو غالب علی شاہ کا سلام۔ وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے:

بس شوق قتل سے ہے الخ

گم ہوگئی۔ پھر لکھ کر بھیجے اور قصور معاف کیجئے۔ یہ غزل جو اس غزل کے بعد بھیجی ہے فی الحال بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔

میر صاحب قبلہ سید عالم علی خاں بہادر کی دو غزلیں پہنچی۔ مگر وہ یہ لکھتے ہیں کہ میں رجب کے مہینے میں وطن کو جاؤنگا۔ مگر بھیج نہیں سکتا۔ آپ میری بے گناہی کے گواہ ہیں۔

قبلہ! ضعف نے مضمحل کر دیا ہے۔ حواس بجا نہیں۔ اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے بہتر داں برس شروع ہوگیا ہے۔ غذا بہ اعتبار آرد، و برنج مفقود۔ صبح کو پان سات بادام کا شیرہ، بارہ بجے آب گوشت، شام کو چار کباب تلے ہوئے۔ بس آگے خدا کا نام۔

ہاں حضرت۔ جناب حکیم احمد حسن صاحب کی تحریر سے کچھ حال ناسازی اخوان و احباب کا معلوم ہوا او وہ علم باعث توزع ضمیر ہے۔ امتوقع ہوں کہ اس فساد کے رفع ہونے سے اور اپنی طمانیت خاطر سے فقیر کو آگہی بخشیے اور اس خط کا جواب مع رسید غزل جلد ارسال فرمائیے گا۔

پنجم دسمبر ۱۸۶۶ء۔ رجب کی تاریخ اوپر لکھ آیا ہوں۔

اسد بے دستگاہ

(۴)

بخدمت قبلہ سید احمد حسن صاحب مودودی تسلیم، بجناب میر ابراہیم علی خاں بہادر کورنش مقبول باد۔ تصویر مہر تنویر مجھے پہنچی اور میں نے رسید لکھ بھیجی۔ عجب ہے کہ آپ کو اس کے پہنچنے میں تردد ہے۔ امسال فقیر نے جو اپنی خاکساری کا کا کہ یعنی تصویر۔ منشی میاں داد خاں کی معرفت نذر کی ہے۔ یقین ہے وہ بھی پہنچی ہوگی۔ دونوں غزلیں بعد اصلاح کے بھیجتا ہوں۔ اپنی غزل آپ رہنے دیں اور سید صاحب کی غزل کے حوالہ کر دیں۔۳

جمعہ ۱۷۔ اگست ۱۸۶۸ء نجات کا طالب غالب

(۵)

جناب تقدس انتساب سید صاحب قبلہ، والا مناقب ، عالیشان ،نواب سید ابراہیم علی خاں بہادر، مدظلہ العالی۔ بعد بندگی معروض ہے۔ حضرت سید احمد حسن خاں صاحب مدظلہ العالی کی تحریر معلوم ہوا کہ آپ کے گھر مولود مسعود

۱؎ پریشانی ، پراگندگی ۲؎ یعنی جنتری کے رو سے ۲۷۔ اور رویت کے رو سے ۲۶۔ رجب ۱۲۸۳ھ ۳؎ یہ خط سید احمد حسن مودودی اور میر ابراہیم علی خاں میں مشترک ہے۔ لیکن چونکہ مودودی صاحب کو محض سلام لکھا ہے۔ باقی سارے خط میں میر ابراہیم علی خاں کے سے خطاب ہے۔ اس لیے میں نے اسے میر صاحب کے مجموعے میں رکھا۔

پیدا ہوا۔ ایک عبارت رنگین مرتب کر کے۔ اکمل الاخبار میں میں نے چھپوادی ہے۔ اور ایک رباعی اور ایک قطعہ اپنا اور ایک قطعہ سید صاحب ممدوح کا، جو انھوں نے یہاں بھیجا تھا وہ بھی چھپوادیا اور تین قطعے تاریخ بہاری لال منتظم اور میر فخر الدین مہتمم مطبع نے جو یہاں تاریخیں لکھی تھیں۔ وہ چھپوادیں چنانچہ اپنی لکھی ہوئی رباعی اور قطعہ عرض کرتا ہوں:

رباعی

حق داد سید زپے انعا ش
فرخ پسرے کہ واجب است اکرامش
تاریخ ولا و تش بودیے کم و بیش
ارشاد حسین خاں کہ باشد ناش

قطعہ

غالب حال سنین ہجری
معلوج کن از خجستہ فرزند
چوں یک صد و بست و چار ماند
ایں ست شمار عمر و لبند

یہ تو ظاہر ہے کہ ۱۲۸۵ھ ہے۔ جب خجستہ فرزند کے اعداد میں سے ۱۲۸۵ء لے لیے جائیں تو ایک سو چوبیس بچتے ہیں ان کو میں نے دعائے عمر مولود قرار دیا۔ حق تعالیٰ اس مولود کو تمہارے سامنے عمر طبعی کو پہنچائے!۔

خط کی رسید کا طالب، غالب

حکیم سید احمد حسن مودودی

(۱)

حضرت قبلہ

پہلے التماس یہ ہے کہ آپ صحیح النسب سید، تمام امت مرحومہ محمد علیہ السلام کے قبلہ و کعبہ۔ جب آپ مجھ کو قبلہ و کعبہ لکھیں تو پھر میں نے آپ کو کیا لکھوں؟ خدا کے واسطے غور کیجئے کہ قبلہ و کعبہ اور کعبہ کعبہ یہ کیا ترکیب ہے؟ چونکہ آپ نے مجھے استاد گردانا ہے۔ اس التماس کو بھی از قسم اصلاح تصور کیجئے۔ زنہار قبلہ قبلہ کبھی نہ لکھیے۔ یہ سوء ادب سے یہ نسبت قبلہ، عیاذ اللہ۔

آپ کا عطوفت نامہ پہنچا۔ میرے پہلے خط کا بہ دیر پہنچنا اور اس کی دیر رسی کا سبب مجھ کو معلوم ہوا۔ آپ اس کا خیال رکھوں گا۔ اب آپ کو معلوم رہے کہ آپ کے کسی خط کا جواب میرے ذمہ باقی نہیں ہے۔ دو یا تین جس خط کا جواب نہیں پہنچا۔ اس کو یہ سمجھے کہ وہ خط راہ مین تلف ہوئے اور میرے پاس نہیں پہنچے۔

بہار گلستان احمد ، حسن

یہ سجع کیا برا ہے؟:

دل حیدر و جان احمد، حسن

یہ اس بے بھی بہتر ہے۔ انھیں دونوں میں سے ایک سجع مہر پر کھدوا لیجئے۔ غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔

۱۹۔ ذی الحجہ (۱۲۷۷ھ۔ ۱۸۔ جون ۱۸۶۱ء) غالب

۱۔ یہ خط اگست ۱۸۶۸ء کے بعد کا ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ سید احمد حسن مودودی کے نام کا خط مرقومہ، ۱۷، جولائی ۱۸۶۸ء میں یہ ذکر ہے کہ میر ابراہیم علی خاں کے بچہ ہونے والا ہے۔ ۱۷۔ اگست کے خط میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ لہذا یہ واقعہ چند روز بعد کا سمجھنا چاہیے۔ ۱۲۸۵ء کا آغاز ۲۴۔ اپریل ۱۸۶۸ء سے ہوا۔

---

(۲)

حضرت پیرو مرشد،

غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ غزل سہو سے لکھ گیا ہوں۔ دونوں غزلیں پہنچتی ہیں۔ جناب مولوی انصار علی صاحب سے مجھ کو تعارف اسمی ہے۔ ان کو میرا سلام کہیے اور کہیے کہ حضرت جناب مولوی صدر الدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا۔ روبکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جاں بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف، جایداد ضبط۔ ناچار خستہ تباہ لاہور گئے۔ فنانشل کمشنر اور لفٹنٹ گورنر نے ازراہ ترحم نصف جایداد واگزاشت کی۔ اب نصف جایداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ کرایے پر معاش کا مدار ہے۔ اگرچہ یہ امداد ان کے گزارے کو کافی ہے۔ کس واسطے کو ایک آپ اور ایک بی بی تیس چالیس روپے مہینے کی آمد، لیکن چونکہ امام بخش کی اولاد کی عترت ۱؎ ہے اور دو دس بارہ آدمی ہیں۔ لہذا فراغ بال سے نہیں گزرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے۔ عشرہ ثامنہ کے اواخر میں ہیں۔ خدا سلامت رکھے۔ غنیمت ہیں۔

یک شنبہ ۱۹۔ جنوری ۱۸۶۲ء   غالب

(۳)

سید صاحب قبلہ،

عنایت نامہ مع قصیدہ پہنچا۔ پس و پیش ایک رافت نامہ پیر و مرشد سید ابراہیم علی خاں صاحب بہادر ایک عطوفت نامہ قبلہ و کعبہ سید عالم علی خاں بہادر کا پہنچا۔ میں علی کا غلام ہوں اور اولاد علی کا خانہ زاد، لیکن بوڑھا اور ناتوان اور مسلوب الحواس اور بے سر و سامان، خدمت بجا لانے میں غدر کروں ج تو گنہ گار۔ درنگ و توقف کا مضائقہ نہیں۔ لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔

خداوند نعمت کیا تم دلی کو آباد اور قلعہ کو معمور اور سلطنت کو بدستور سمجھے ہوئے ہو۔ جو حضرت شیخ[۱] کا کلام[۲] اور صاحبزادہ قطب الدین ابن مولانا فخر الدین علیہ الرحمتہ کا حال پوچھتے ہو؟ ایں دفتر را گاؤ را قصاب بردو قصاب در راہ مرد"

---

[۱] یہ لفظ اولاد کے لیے بھی مستعمل اور خویش و اقارب کے لیے بھی۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں [۲] شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی جو اپنے زمانے کے مشہور مشائخ میں تھے۔ دہلی میں قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان ان کا مقبرہ ہے۔

بادشاہ کے دم تک یہ باتیں تھیں۔ خود میاں کالے صاحب مغفور کا گھر اس طرح تباہ ہوا کہ جیسے جھاڑو دی۔ کاغذ کا پرزا۔ سونے کا تار، پشمینہ کا بال باقی نہ رہا۔ شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمتہ اللہ علیہ کا مقبرہ اجڑ گیا۔ ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی۔ ان کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے۔ اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر، اسکے سوا کچھ نہیں۔ وہاں کے رہنے وال اگر گولی سے بچے

ہوں گے تو خدا ہی جانتا ہوگا کہ کہاں ہے۔ ان کے پاس شیخ کا کلام بھی تھا۔ کچھ تبرکات بھی تھے۔ اب جب وہ لوگ ہی نہیں تو کس سے پوچھوں۔ کیا کروں۔ کہیں سے یہ مدعا حاصل نہ ہو سکے گا۔

سید صاحب قبلہ کیوں تکلیف کرتے ہیں؟ اگر یہی مرضی ہے تو اتحاف و اہدا کا تکلف محض ہے۔ فقیر یہ سوال ہوں۔ اگر کچھ بھیج دیں گے۔ رو نہ کروں گا، کم و بیش پر نظر نہ کریں۔ جتنے چاہیں نوٹ خط میں لپیٹ کر بھیج دیں۔ والسلام

(روز شنبہ یکم ستمبر ۱۸۶۳ء از اسد اللہ

(۴)

پیر و مرشد،

تین برس عوارض احتراق خون میں ایسا مبتلا رہا ہوں ل کہ اپنے جسم و جان کی بھی خبر نہیں رہی۔ آپ کے خطوط آئے ہوں گے۔ کوئی عنوان ناکشودہ پڑا رہا ہوگا۔ البتہ حاجی مصطفیٰ خاں کا آنا مجھ کو یاد ہے۔ یقین کرتا ہوں کہ انھوں نے از روے مشاہدہ میرے خستگی تن کا حال حضرت کو لکھا ہوگا۔ اب میں اپنی زبان سے یہ کیوں کر کہوں کہ اچھا ہوں۔ مگر بیمار اور عواض میں گرفتار نہیں ہوں۔ بوڑھا، بہرا اپاہج بد حواس، ناتواں، فلک زدہ آدمی ہوں۔ عہد کرتا ہوں کہ جب آپ کا خط آئے گا اس کا جواب لکھوں گا۔

جب غزل آئے گی اس کو دیکھ کر پھر بھیجوں گا۔ مگر حضرت کے مسکن کا پتا بھول گیا۔ یہ خط تو مصطفیٰ خاں سوداگر کو بھیجے دیتا ہوں وہ آپ کو بھجوا دیں گے۔ آیندہ جو عنایت نامہ ڈاک میں آئے۔ اس میں مسکن و مقام و شہر کا نام لکھا جائے۔

۲۴۔ جولائی ۱۸۶۵ء نجات کا طالب غالب

(۵)

حضرت پیرومرشد

ان دنوں میں اگر فقیر کے عرائض نہ پہنچے ہوں یا ارشاد کے جواب ادا نہ ہوئے ہوں تو موجب ملال خاطر اقدس نہ ہو:

اتفاق سفر افتاد بہ پیری غالب
آنچہ از پاے نیامد، ز عصا می آید

رام پور کی سرکار کا فقیر تکیہ دار روزینہ خوار ہوں۔ رئیس حال نے مسند نشینی کا جشن کیا۔ دعا گوے دولت کی در دولت پر جانا واجب ہوا۔ ہفتم اکتوبر کو دلی سے رام پور روانہ ہوا۔ بعد قطع منازل ستہ وہاں پہنچا۔ بعد اختتام بزم، عازم وطن ہوا۔ ہشتم جنوری کو دلی پہنچا۔ عرض راہ میں بیمار رہوا۔ پانچ دن مراد آباد میں صاحب فراش رہا۔ اب جیسا فرسودہ رواں و ناتواں تھا۔ ویسا ہوں۔ جواب خطوط مجتمعہ لکھ سکتا ہوں؟

نواب میر جعفر خاں امبرور و مغفور کا خاندان، سبحان اللہ:

ایں سلسلہ از طلاے ناب است
ایں خانہ تمام آفتاب است

نواب میر غلام بابا خاں میرے دوست اور میرے محسن ہیں۔ راہ و رسم نامہ و پیام مدت سے باہمہ گر جاری ہے۔ آپ کا حکم بے تکلف مانوں گا۔ جناب میرا ابراہیم علی خاں صاحب اور حضرت میر عالم علی خاں صاحب کی خدمت گزاری کو اپنا

فخر و شرف جانوں گا۔ اس وقت بکس کھولا ہے۔ خطوط اطراف و جوانب دیکھ رہا ہوں۔ پہلے حضرت کے خط کا جواب بطور اختصار لکھا ہوں۔ اب جب اس کا جواب آئے گا۔ تب فقیر حکم بجالائے گا۔،

چارشنبہ ۱۷۔ جنوری ۱۸۶۶ء اسد اللہ

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۶)

پیرومرشد،

آپ کو میرے حال کی بھی خبر ہے۔ضعف نہایت کو پہنچ گیا۔رعشہ پیدا ہو گیا۔ بینائی میں بڑا فتور پڑا۔حواس مختل ہو گئے۔ جہاں تک ہو سکا احباب کی خدمت بجا لایا۔اوراق اشعار لیٹے لیٹے دیکھتا رہا۔اور اصلاح دیتا تھا۔اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجے۔نہ بات سے اچھی طرح لکھا جائے، کہتے ہیں شاہ شرف علی علی بو قلندر کو بسبب کبرسن کے خدا تعالی نے فرضل اور پیمبر نے سنت معاف کر دی تھی۔ میں متوقع ہوں کہ میرے دوست خدمت اصلاح اشعار مجھ پر معاف کریں۔خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا۔لکھ دیا کروں گا۔زیادہ حد ادب،۔

۸۔اپریل ۱۸۶۶ء راقم اسد اللہ خاں غالب

(۷)

پیرومرشد،

یکم محرم کا خط کل ۱۸ محرم کو پہنچا۔ آج ۱۹۔ کو جواب لکھتا ہوں۔ آپ اور میر ابراہیم علی خاں پر میری جان نثار رہے۔ مفی مامضٰی۔ اب ایک ایک غزل آپ تینوں صاحب بھیج دیا کیجئے۔ اسی طرح میں فرداً فرداً اصلاح دے کر بھیج دیا کروں گا۔ مگر میرے قبلہ و کعبہ واسطے خدا کے شجرہ منظومہ ارسال نہ فرمائیے گا۔ اس کی اصلاح میری حد وسع سے باہر ہے۔ میرا شیوہ نہیں ہے خط بیرنگ بھیجنا۔ یہ خط عمداً بیرنگ بھیجتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ پیڈ کے تلف ہونے کا احتمال ہے۔ اور بیرنگ کا نہیں۔

شنبہ۔ دوم جون ۱۸۶۶ء

اسداللہ

(۸)

قبلہ،

ڈاک کے ہرکارے نے کل دو خط ایک بار پہنچائے۔ ایک آپ کا خط مع غزل اور ایک نواب میر ابراہیم علی خاں کا خط مع غزل، آج تین باتیں ضروری لکھنی تھیں۔

۱۔ میر غلام بابا خاں کے نام پہلے خط میں ان کا نام میر جعفر علی خاں لکھا ہے۔ اس واسطے یہ خط روانہ کرتا ہوں۔ ایک بات یہ کہ غزل کا کاغذ واپس بھیجتا ہوں نہ اس کو پھاڑ سکوں۔ نہ پانی میں دھر سکوں۔ شہیدی کی غزل ان قافیوں میں بہ تغیر ردیف ایسی ہے کہ اب ان قافیوں کا باندھنا ہرگز نہ چاہیے۔ آپ اور غزل لکھیے۔ اس کو ہرگز دیوان میں نہ رکھیے۔

یہ بھی اس ضمن میں لکھنا مناسب ہے کہ میر ابراہیم علی خاں صاحب نے اپنی اصلاح غزل کی رسید کل کے خط میں لکھ بھیجی۔ آپ اپنے خط میں کس راہ سے لکھتے ہیں کہ وہ غزل اصلاحی مانگتے ہیں؟ اس فصل میں یہ بھی اطلاع دیتا ہوں کہ آپ کی غزل، سہلا کر سوئے۔ اور نہلا کر سوے اور تاریخ ہائے بنالے مسجد دیکھ کر اور اصلاح دے کر آج پانچواں دن ہے کہ ڈاک میں بھیج چکا ہوں۔

دوسری یہ بات ہے کہ آپ سید صاحب کا حال مفصل لکھیے۔ ایسا کہ لاکھ کا ملک بڑودہ کی سرکار سے ہمارے محسن کو ملا ہے کہ ان سے دو لاکھ روپیہ نذرانہ مانگا جاتا ہے۔ آگے اس راج میں حسام الدین حسین خاں بڑے معزز اور مکرم متوسل تھے

اور سیر حاصل جاگیریں رکھتے تھے۔ سید ابراہیم علی خاں صاحب اسی خاندان میں سے ہیں؟ اور ہاں یہ بھی لکھیے کہ میر عالم علی خاں کون ہے اور آپ کو ان دونوں صاحبوں سے کیا قرابت ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ جب نوٹ بھیجیے تو اہل کلکتہ کی طرح آدھا آدھا دو بار کر کے نہ بھیجیے گا۔ میرے نام کا لفافہ جس شہر سے چلے۔ اسی شہر کے ڈاک گھر میں رہ جائے تو رہ جائے ورنہ دلی کے ڈاک خانہ میں پہنچ کر کیا امکان ہے کہ تلف ہو۔

۲۵۔ ستمبر ۱۸۶۶ء اسد اللہ

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

(۹)

حضرت،

یہ آپ کے جد امجد کا غلام تو مرلیا۔ کثرت احکام، تواتر وردو اشعار، پھر یہ ہنجار کہ سو روپے کے نوٹ کی رسید سو بار مانگتے ہو۔ میر ابراہیم علی خاں صاحب کی غزل جس کا ایک شعر یہ ہے:

علی علی جو کہا تو سحر تو یوں سمجھے
کہ ذولفقار سے کٹتی ہے اب ہماری رات

بعد اصلاح بھیج چکا ہوں اور آپ اس کا تقاضا کیے جاتے ہیں۔ غزلیں آپکی برستی ہیں، کہاں تک دیکھوں؟ آپ کی غزلوں کے ساتھ اور غزلیں بھی گم ہو جاتی ہیں۔ بہتر برس کا آدمی، پھر رنجور و دائمی، غذا ایک قلم مفقود۔ آٹھ پہر ایک بار آب گوشت پی لیتا ہوں۔ نہ روٹی، نہ بوٹی نہ پلاؤ۔ نہ خشکا، آنکھ کی بینائی میں فرق، ہاتھ کی گیرائی میں فرق۔ رعشہ مستولی۔ حافظہ معدوم، جہاں جو کاغذ رہا۔ وہ وہیں رہا۔

میر عالم علی خاں صاحب کی دو غزلیں آئی ہوئی کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ نوٹ عطیہ سید صاحب کا آپ کا خط میں پہنچا۔ روپیہ وصول ہوا۔ معا خرچ ہوا۔ انکی ایک غزل، ساری رات، ہماری رات، جس کا ایک شعر اور پر لکھ آیا ہوں۔ بعد اصلاح بھیج چکا ہوں۔ اور کوئی غزل ان کی میرے پاس نہیں اور جناب میر عالم علی خاں کی دو غزلیں یاد ہیں کہ آئی ہیں۔ اگر مل جائیں تو تو بعد اصلاح

بجھوں گا۔ آپ کی غزلیں شمار سے باہر ہیں۔ بکس میں دیکھوں گا۔ کتابوں میں ڈھونڈوں گا۔

مدعا یہ کہ آپ اور دونوں سید صاحب اسکا التزام کریں کہ ایک غزل اپنے خط میں بھیجیں۔ جب وہ غزل اور اس خط کا جواب پہنچ جائے۔ تب دوسری خط میں ملفوف ہوکر بھیجی جائے اور خط ہر صاحب کا جدا ہو۔ آپ یہ میرا خط غور سے پڑھ لیں اور دونوں سید صاحبوں کو پڑھوا دیں۔ از روے احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔

۱۸۔ اکتوبر ۱۸۶۶ء اسد یک رنگ

(۱۰)

سید صاحب وقبلہ حکیم سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کا سلام پہنچے۔ وہ جو آپ نے سنا ہے۔ کہ اب غالب کو مرض سے افاقت ہے۔ سو محض غلط ہے۔ آگے ناتوان تھا۔ اب نیم جان ہوں۔ خط نہیں لکھ سکتا۔ ایک لڑکے سے یہ چند سطریں لکھوادی ہیں۔ جو میں کہتا گیا ہوں۔ وہ غریب لکھتا گیا ہے۔ آپ سید ہیں اور بزرگ ہیں، میرے حق میں دعا کریں کہ اب تہتر برس سے آگے نہ بڑھوں اور اگر کچھ زندگی اور ہے تو حق تعالیٰ تھوڑی سی صحت عنایت کرے تا کہ دوستوں کی خدمت بجالاتا رہوں۔

۳۔ جولائی ۱۸۶۷ء غالب

(۱۱)

جناب سید صاحب وقبلہ سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کی بندگی مقبول ہو اور یہ عرض بھی قبول ہو کہ جناب معلّی القاب نواب ابراہیم علی خاں بہادر کی خدمت میں میری بندگی عرض کریں۔ بارے بصورت تصویر دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام پہنچنا معلوم ہوا۔ اگر چہ اس صورت میں چلنا پھرنا۔ خدمت، بجا لانی نہیں ہوسکتی۔ مگر خیر حضرت کے پیش نظر حاضر ہوں گا۔ عنایت کی نظر رہے میرے حال پر۔

یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ نواب صاحب قبلہ کے ہاں اس مہینے میں لڑکا پیدا ہونے والا ہے۔ مجھ کو تاریخ تولد کا خیال رہے گا جب آپ کی تحریر سے نوید تولد معلوم کرلوں گا۔ تب قطعہ یا رباعی جو کچھ ہوگئی ہوگی۔ وہ بھیج دوں گا۔ اور یہ جو آپ نے اپنی اور نواب صاحب کی غزلوں کی اصلاح کے واسطے لکھا ہے۔ مجھے اس حکم کی تعمیل بہ دل منظور ہے۔ جس مہینے تک میں زندہ ہوں۔ اس مہینے تک خدمت بجا لاؤں گا۔

۱۷۔ جولائی۔ ۱۸۶۸ء

تفضّل حسین خاں

کیوں صاحب،

یہ چچا بھتیجا ہونا اور شاگردی و استادی سب پر پانی پھر گیا۔ اگر کوئی ہزار پانسو کی چیز ہوتی اور میں تم سے مانگتا تو خدا جانے تم کیا غضب ڈھاتے۔ میرا کلام، خرید آٹھ برس روپیہ کی۔ سو وہ بھی میں نہیں کہتا کہ مجھ کو دے ڈالو۔ تم کو مبارک رہے۔ مجھ کو مستعار دو۔ میں اس کو دیکھ لوں۔ پھر تم کو واپس بھیج دونگا۔ اس طرح کی طلب پر نہ دینا۔ دلیل اسکی ہے کہ مجھ کو جھوٹا جانتے ہو۔ میرا اعتبار نہیں یا یہ کہ مجھ کو آزاد دینا اور ستاتا بہ دل مطلوب ہے۔ وہ کتاب ابھی میرے آدمی کو دے دو۔ باللہ واللہ اس میں سے جو میرے پاس نہیں ہے نقل کر کے تم کو بھیج دوں گا۔ اگر تم کو واپس نہ دوں تو مجھ پر لعنت اور اگر تم میری قسم نہ مانو اور کتاب حامل، رقعہ کو نہ دو۔ تو تم کو آفریں۔

غالب

سیاح

میاں داد خاں نام سیاح تخلص، سیف الحق لقب، جو غالب نے عطا کیا تھا۔ اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد منشی عبداللہ خاں اورنگ آباد کے ذی مقدرت رئیس تھے۔ سیاح کی پیدائش کے وقت دولت و اقبال کی فراوانی تھی۔ لیکن وہ سن شعور کو پہنچے تو گردش روزگار سے سارا نقشہ بگڑ گا۔ ثروت و فراغت بال کی جگہ نکبت و احتیاج نے لے لی۔ مجبور ہو کر وہ گھر سے نکل پڑے اور بمبئی ہوتے ہوئے سورت پہنچے۔ جہاں نواب میر غلام بابا خاں نے انھیں۔ مصاحبت میں داخل کر لیا۔ بعد میں بہ قصد سیاحت نکلے تو دہلی، کانپور، لکھنو، بنارس، کلکتہ وغیرہ ہوتے ہوئے پھر سورت لوٹے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایران و عرب و مصر کی سیاحت بھی کی تھی۔ اسی وجہ سے غالب نے ان کے لیے سیاح کا خطاب تجویز کیا تھا۔

قاطع برہان کی اشاعت پر ردو بحث کا جو ہنگامہ بپا ہوا تھا۔ اس سلسلے کی ایک کتاب سیاح سے بھی منسوب ہے یعنی، لطائف غیبی، لیکن اہل علم و ذوق کی رائے یہ کہ یہ کتاب خود غالب کی مولفہ تھی۔ اگر چہ سیاح کے نام سے چھپی۔ اس لیے کہ انداز تحریر و نگارش صاف غالب کا ہے۔ سیاح کا جو انداز سیر سیاح، میں ہے۔ وہ اس سے بالکل مختلف ہے یا کم از کم یہ ظاہر ہے کہ کتاب کی عبارت میں وسعت تصرفات کے باعث اب اسے بے تکلف غالب کی تصنیف کہا جا سکتا ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ سیاح کو

لطائف کا جو نسخہ میرزا نے بھیجا تھا۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں ۔ یہ نسخہ میں نے اپنے مطالعہ میں رکھ کر درست کر دیا ہے ۔ باقی نسخوں کو بھی اس کے مطابق صحیح کر لو۔''

میرزا محمد عسکری مرحوم نے لکھا ہے کہ ۱۸۸۰ء میں سیاح کے خلاف قلب سازی کا مقدمہ قائم ہوا۔ جس میں وہ سزا پا گئے ۔ فارسی اور اردو زبانوں کے شاعر تھے ۔ ستر برس کی عمر پا کر ۱۹۰۷ء میں بہ مقام بمبئی فوت ہوئے ۔ منشی نو لکشور سے ان کے تعلقات بہت دوستانہ تھے ۔ ایک مرتبہ لکھنو اور کانپور گئے تھے تو منشی صاحب نے انتہائی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا تھا اور دونوں جگہ کے اعزاز میں مشاعرے ہوئے تھے ۔

''سیر سیاح ۔ انھیں حالات پر مشتمل ہے ۔

(۱)

برخوردار کامگار، سعادت نشان، منشی میاں دادخاں سیاح طال عمرہ۔

درویش گوشہ نشین۔ غالب جزیں کی دعاے درویشانہ سے کامیاب و بہرہ مند ہوں۔ لکھنو کی ویرانی پر دل جلتا ہے۔ مگر تم کو یاد رہے کہ وہاں بعد اس فساد کے ایک کون ہو گا۔ یعنی راہیں وسیع ہو جائیں گی۔ بازار اچھے نکل جائیں گے۔ جو دیکھے گا وہ داد دے گا اور دلی کے فساد کے بعد کون نہیں ہے۔ یہاں فساد در فساد چلا جائے گا۔ شہر کی صورت سوائے اس بازار کے جو قلعے کے لاہوری دروازہ سے شہر کے لاہوری دروازہ تک ہے۔ سراسر بگڑ گئی اور بگڑتی جاتی ہے۔

دیوان کا چھاپا کیسا، وہ شخص نا آشنا موسوم بہ عظیم الدین جس نے مجھ سے دیوان منگا بھیجا۔ آدمی نہیں۔ بھوت ہے۔ پلید ہے۔ غول ہے قصہ مختصر سخت نامعقول ہے مجھ کو اس کے طور اطباع دیوان نامطبوع ہے۔ اب میں اس سے دیوان مانگ رہا ہوں اور وہ نہیں دیتا۔ خدا کرے ہاتھ آ جائے۔ تم بھی دعا مانگو، زیادہ کیا لکھوں۔

دوشنبہ ۱۱۔ جون ۱۸۶۰ء غالب

(۲)

برخوردار،

تمہارا خط پہنچا۔ لکھنو کا کیا کہنا۔ وہ ہندوستان کا بغداد تھا۔ اللہ اللہ، وہ سرکار امیر گرتھی۔ جو بے سروپا وہاں پہنچا۔ امیر بن گیا۔ اس باغ کی یہ فصل خزاں،

میں بہت خوشی سے تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ اردو کا دیوان غاصب نا انصاب سے ہاتھ آ گیا اور میں نے نورچشم منشی شیونرائن کو بھیج دیا۔ یقین کلی ہے۔ کہ وہ چھاپیں گے۔ جہاں تم ہو گے۔ ایک نسخہ تم کو پہنچ جائے گا۔ طریقہ سعادت مندی یہ ہے کہ ہم کو اپنی خیر و عافیت کا طالب جان کر جہاں جاؤں۔ وہاں سے خط لکھتے رہو اور اپنے مسکن کا پتا ہم پر ظاہر کرتے رہو۔ ہم تم سے راضی ہیں اور چونکہ تمہاری خدمت اچھی طرح نہیں کی۔ شرمندہ بھی ہیں۔

مرقومہ شنبہ روز عید مطابق ۳۰ جون ۱۸۶۰ء راقم اسد اللہ خاں

(۳)

بھائی،

تمہاری جان، اور اپنے ایمان کی قسم کہ فن تاریخ گوئی و معما سے بیگانہ محض ہوں۔ اردو زبان میں کوئی تاریخ میری نہ سنی ہوگی۔ فارسی زبان میں دو چار تاریخیں ہیں۔ ان کا یہ حال یہ ہے کہ مادہ اوروں کا ہے اور اشعار میرے ہیں۔ تم سمجھے کہ میں کیا کہتا

۱؎ یعنی بگاڑ کے بعد بناؤ کی صورت نکلے گی۔ ۲؎ یعنی چاندگی چوک اور کھاری باؤلی، ۳؎ عظیم الدین میر ٹھی جسے دیوان چھاپنے کے لیے دیا تھا۔ پھر اس لیے واپس مانگ لیا تھا۔ کہ منشی زائن آرام نے کہا تھا۔ دیوان چھاپوں گا۔ ۴؎ اس خط کے انداز سے ظاہر ہے کہ یہ غالب کی طرف سے سیاح کے نام کا پہلا خط نہیں ہوسکتا۔ اور خط بھی لکھے ہوں گے جو تلف ہو گئے۔

ہوں۔ حساب سے میرا جی گھبراتا ہے اور مجھ کو جوڑ لگانا نہیں آتا ہے۔ جب کوئی مادہ بناؤں گا۔ حساب درست نہ پاؤں گا۔ دو ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوتی تو مادہ تاریخ وہ مجھے ڈھونڈ لا دیتے۔ موزون میں کرتا۔ اگر آپ مادے کی فکر کی ہے اور یہی حساب جمل منظور رکھا ہے تو ایسے تعمیے اور تخرجے آ گئے ہیں کہ وہ تاریخ ہنسی کے قابل ہوگئی ہے۔ کلکتہ میں قاضی القضاۃ سراج الدین علی خاں کی قبر پر مسجد بنی ہے۔ انکے بھتیجے مولوی ولایت حسین خاں نے استدعا سے تاریخ کی۔ میں نے لکھی۔ چنانچہ وہ فارسی دیوان میں موجود ہے۔

مفتی عقل از پئے تاریخ ایں بنا
ایما بسوے من ز رہ احترام کرد
گفتم بہ دے بدیہہ خوشاخانہ خدا
شد خشمگیں دمے کہ نظر در کلام کرد
خا شکا و رفت و پاے ادب دو شکنجہ ریخت
ایہام را بہ تخرجہ معنی تمام کرد

واسطے خدا کے غور کرد، خوشا خانہ خدا، مادہ پھر اس میں سے خا شاک، کے عدد دور کرد، نوسو اکیس کا تخرجہ پھر بھی دو اور زیادہ رہے۔ پاے ادب یعنی ب کو اڑا دیا۔ بھلا یہ بھی کوئی تاریخ ہے، مگر ہاں حساب کے قاعدے سے باہر کچھ معنی سگالی کے طور پر میرا ایجاد ہے۔ اور وہ لطف رکھتا ہے۔ ایک شخص ۱۲۴۸ھ میں مرا۔ اس کی تاریخ میں نے لکھی:

ز سال واقعہ میرزا مسیتا بیگ
مآت راست شمار ائمہ امجاد
صحیفہ ہاے سمادی مبین از عشرات
حدیقہ ہاے بہشتی مشخص از آحاد

ائمہ بارہ یعنی ۔ بارہ سو، پھر کتب سمادی، چار، وہا کے چار یعنی چالیس، بہتشت آٹھ، چالیس اور آٹھ اڑتالیس، بارہ سو اڑتالیس،

دوسری تاریخ بارہ سو ستر کی:

از بروج سپہر جوئی مآت

عشرات از کواکب سیار

بروج بارہ، سات وہاں کے ستر،

یہ جو لکھتے ہیں کہ سید غلام بابا کسی بحر میں نہیں آتا۔ کیوں نہیں آتا؟

جب کہ سید غلام بابا نے
مسند عیش پر جگہ پائی
ایسی رونق ہوئی برات کی رات
کہ کواکب ہوئے تماشائی

دوسری بحر سنو:

ہزار شکر کہ سید غلام باب نے
فراز مسند عیش و طرب جگہ پائی
زمین پہ ایسا شاشا ہوا برات کی رات
کہ آسمان پہ کواکب بنے تماشائی

اس بحر میں سماتا ہوا کوئی مادہ بہم پہنچاؤ۔ تاریخ کہہ لو۔ وہ دوست جو مادہ ڈھونڈ دیتے تھے۔ وہ جنت کو سدھارے۔ جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں۔ معذور اور مجبور ہوں۔

سہ شنبہ ۱۱۔ محرم ۳۱۔ جولائی سال حال (۱۲۷۷ھ، ۱۸۶۰ء)

غالب

(۴)

سعادت و اقبال نشان، منشی میاں دادخاں سے میں بہت شرمندہ ہوں کہ ان کے خطوط کا جواب نہیں لکھا۔ غزلوں کے مسودے گم ہو گئے۔ اس شرمندگی سے پا سخ نگار نہ ہوا۔ اب یہ سطریں جو لکھتا ہوں۔ اس خط کے جواب میں ہیں۔ جو بنارس سے آیا ہے۔

بھائی، بنارس خوب شہر ہے اور میرے پسند ہے۔ ایک مثنوی میں نے اس تعریف میں لکھی ہے۔ اور چراغ دیر اس کا نام رکھا ہے۔ وہ فارسی دیوان میں موجود ہے۔ اسکو دیکھنا۔

اشرف حسین خاں میرے دوست ہیں۔ فتنہ و فساد ۵۷ء کے زمانے سے بہت پہلے ان کا خط اور کچھ ان کا کلام میرے پاس آیا ہ۔ تم ان کو میرا سلام کہنا اور میں تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ جس طرح تم نے لکھنو سے بنارس تک کے سفر کی سرگزشت لکھی ہے۔ اسی طرح آیندہ بھی لکھتے رہو گے۔ میں سیر و سیاحت کو بہت دوست رکھتا ہوں۔

اگر بہ دل خلد ہر چہ از نظر گزرو
زہے روانی عمرے کہ در سفر گزرد

خیر اگر سیر و سیاحت میسر نہیں، نہ سہی، ذکر العیش نصف العیش، پر قناعت کی۔ میاں دادخاں سیاح کی سرگزشت سیر و سفر ہی سہی۔

غزل تمہاری رہنے دیتا ہوں۔ اسکے دیکھنے کی ابھی فرصت نہیں ہے۔ جیسا تم نے وعدہ کیا ہے۔ جب اور غزلیں بھیجو گے۔ ان کے ساتھ اس کو بھی دیکھ لوں گا۔

بلکہ احتیاط مقتضی اس کی ہے کہ ان غزلوں کے ساتھ اس کو بھی لکھ بھیجنا۔

ناتوانی زور پر ہے۔ بڑھاپے نے نکما کر دیا ہے۔ ضعف سستی، کاہلی گرانجانی، گرانی، رکاب میں پاؤں ہے۔ باگ پر ہاتھ ہے۔ بڑ سفر دور و دراز درپیش ہے۔ زادہ راہ موجود نہیں۔ خالی ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر ناپرسید بخش دیا تو خیر، اگر باز پرس ہوئی تو سقر[۳] مقر ہے اور ہادیہ زاویہ ہے دوزخ جاوید ہے اور ہم ہیں۔ ہائے کسی کا کیا اچھا شعر ہے:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے [۴]

---

[۱] یہ مثنوی غالب کے کلیات نظم فارسی میں موجود ہے۔ اور بہ اعتبار ترتیب مثنویوں میں تیسری ہے۔ کل ایک سو شعر ہیں۔ پہلا شعر یہ ہے:

نفس باصور و مساز است امروز
خموشی محشر راز ، است امروز

---

[۲] یعنی، غدر [۳] جائے قرار، ٹھکانا، [۴] یہ شعر ذوق کا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جلدی میں لکھتے وقت شاعر کا نام یاد نہ آیا۔ بہت کم اصحاب کو معلوم ہوگا کہ اس مضمون عرفی کا ہے۔ وہ کہتا ہے

امید عافیت از مردن است مے ترسم
کہ مرگ دیگر و آسودگی وگر باشد

اللہ، اللہ، اللہ!

صبح دوشنبہ ۳۱۔ دسمبر ۱۸۶۰ء

نجات کا طالب، غالب

(۵)

منشی صاحب،

تمہارے خط کے پہنچنے کی اطلاع دیتا ہوں اور مطالب مستفسرہ کا جواب لکھتا ہوں اور اپنے دوست روحانی میرزا رجب علی بیگ سرور کو سلام کہتا ہوں۔ کہہ دیجئے گا، بلکہ یہ رقعہ دکھا دیجئے گا۔۱۲

بعض لوگ، آن بان بولتے ہیں۔ مگر فقیر کے نزدیک آن تان، صحیح ہے۔ اور یہی فصیح ہے۱۲

''پر بمعنی'' لیکن ملفظ مشہور ہے اور یہ اس کا مخفف ہے۔ اس میں شاید کسی کو کلام نہ ہو۔ کوئی اور لکھے یا نہ لکھے۔ میرے اردو کے دیوان میں سو دو جگہ یہ لفظ آیا ہوگا۱۲

مجھ کو بنگالے سے آئے بتیس تینتیس برس ہوئے۔ بہت احباب مر گئے۔ بہت متفرق ہو گئے اب ایسا وہاں کوئی نہیں۔ جس سے ارسال رسائل کو رسم وراہ ہو۱۲

صاحب، وہ شعر جس کو تم نے پوچھا، یہ ہے،

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

دو شعر اس غزل کے اور یاد آ گئے ہیں، وہ دوسرے صفحہ پر لکھتا ہوں:

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

دیکھو یہ ''پر کا مخفف ''پہ'' ہے، بمعنی لیکن ۱۲

بنارس کا کیا کہنا ہے، ایسا شہر کہاں پیدا ہوتا ہے انتہائے جوانی میں میرا وہاں جانا ہوا۔ اگر اس موسم میں جوان ہوتا تو وہیں رہ جاتا اور ادھر کو نہ آتا:

عبادت خانہ ناقوسیان است
ہمانا کعبہ ہندوستان است

جس بحر میں کوئی اسم یا کوئی لفظ نہ آ سکے۔ اس کی تدبیر فردوسی و خاقانی سے بھی نہ ہوگی۔ میں کیا کروں گی۔ میں کیا کروں گا، نام تمہارا آ سکتا ہے۔ لیکن الف و بتا رہتا ہے۔ خدا کے واسطے اس کی تدبیر سرور صاحب[1] سے بھی ضرور پوچھنا۔

سہ شنبہ ۱۲۔ فروری ۱۸۶۱ء نجات کا طالب ،

غالب

(بقیہ حاشیہ صہ ۲۶۶) یعنی موت ایک شے ہے اور آسودگی دوسری شے ہے۔ تاہم ذوق نے جس انداز میں یہ مضمون باندھ دیا ہے، وہ ستائش سے بالا ہے[1]۔ رجب علی بیگ سرور مصنف، فسانہ عجائب، وغیرہ۔

(۶)

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان، سیف الحق میاں داد خاں سیاح کو دعا۔

صاحب وہم اور چیز ہے اور احتیاط اور چیز ہے۔ کار پردازن ڈاک میرے خطوط کے ٹکٹ کبھی نہ دبائیں گے اور میرے خطوط کبھی نہ تلف ہونگے۔ آدھ آنے کی جگہ دوست کا ایک کیوں کھوؤں؟

گلشن، بعض کے نزدیک مونث اور بعض کے نزدیک مذکر ہے قلم، دہی خلعت ان کا بھی یہی حال ہے، کوئی مونث، کوئی مذکر بولتا ہے۔ میرے نزدیک، دہی اور خلعت مذکر ہے اور قلم مشترک چاہو مذکر کہو، چاہو مونث، گلشن، البتہ مذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بھائی، جہاں الف دبتا ہے، میرے کلیجے میں ایک تیر لگتا ہے۔ رکھتا ہے گلشن بھی، یہ الف دبتا ہوا دیکھ کر میں نے رکھتی ہے۔ بنا دیا۔ مگر گلشن مذکر مناسب "پھلکی" یا "پھاکا" تنہا بے معنی محض ہے۔ ہلکی پھلکی' یا "ہلکا پھاکا" یوں آئے تو درست، ورنہ لغو۔ اور جو پھاکا پتلی چپاتی کو کہتے ہیں۔ یہ دوسرا لغت ہے۔ "پھلکے" کبھی نہ بولے گا۔ پانی وانی، حقہ وقہ یوں کہیں گے۔ نرا وانی اور نرا وقہ نہ کہیں گے، ہلکا پھاکا ہلکی پھلکی کہیں گے سبک چیز کو، نرا پھاکا یا نری پھلکی، نہ کہیں گے۔ تذکیر و تانیث کے باب میں میرزا رجب علی بیگ سے مشورہ لیا کرو دیتے ہوئے حروف بھی ان سے پوچھ لیا کرو۔ ۱۲

غالب

(۷)

بھائی،

ہم نے تم کو یہ نہیں کہا کہ تم میرزا رجب علی بیگ۲ کے شاگرد ہو جاؤ اور اپنا کلام ان کو دکھاؤ۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ تذکیر و تانیث کو ان سے پوچھ لیا کرو۔ دکھن بنگالے کے رہنے والوں کو اس امر خاص میں دلی لکھنو کے رہنے والوں کا تتبع ضرور ہے۱۲

ایک قاعدہ تم کو معلوم رہے۔ عین کا حرف فارسی میں نہیں آتا۔ جس لغت میں عین ہو، اس کو سمجھنا کہ عربی ہے۔ بعد معلوم ہونے اس قاعدے کے یہ سمجھو کہ غربال (غین نقطہ دار مکسور اور رائے قرشت اور بائے موحدہ اور الف و لام یہ لغت فارسی ہے۔ ہندی اس کی چھلنی اور مرادف اسکی پردیزن یعنی فارسی میں چھلنی کو غربال اور پرویزن کہتے ہیں) اور چھلنی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو کوئی نہ جانے، رہا عربال عین سعفص اور یائے تحتانی سے، فصیح کیا بلکہ غلط محض و محض غلط ہے۔ ہاں اگر عربی میں چھلنی کو عریاں کہتے ہوں تو فارسی غربال اور عربی عریال، مگر میں ایسا گمان کرتا ہوں، کہ غربال کا عربی میں کچھ اور اسم ہوگا، عریال نہ کہتے ہوں گے۔

اب تم سنو، فن لغت میں ایک امر ہے کہ اس کو تصحیف کہتے ہیں یعنی لفظ کی صورت ایک ہو اور نقطوں میں فرق، جیسا کہ سعدی، بوستان میں کہتا ہے:

مرا بوسہ گفتا بہ تصحیف دہ
کہ درویش را توشہ از بوسہ بہ

''توشہ'' و ''بوسہ'' و ''نوشہ'' یہ تین لفظ مصحف ہمدگر ہیں۔ حال آنکہ معانی میں وہ

فرق کہ جیسا زمین و آسمان میں۔ ''توشہ'' ترجمہ زادکا، بوسہ'' ترجمہ قبلہ کا، ''نوشہ اسم ''دولہ'' صاحبان فرہنگ میں ''برہان قاطع'' والا تصحیف میں بہت مبتلا ہے، گزر اور کزر، خزیزہ اور خربزہ، کہتا ہے کہ سدا بہ سین سعفص لفظ فارسی ہے۔ بہ معنی آواز او رصدا، بہ صاد تعریب ہے۔ جو لغات تے میں لکھے ہیں۔ انھیں لغات کو طوے، میں لکھتا ہے۔ حال آنکہ جس طرح عین فارسی میں نہیں ہے۔ طوے بھی نہیں ہے ۔مثلاً تشت لغت فارسی الاصل ہے، ملا اس کی طوے سے غلط[1] ہے۔ برہان قاطع، والا اس کو تے سے بھی لایا ہے اور طوے سے بھی۔ محققین جانتے ہیں کہ، صدا بمعنی آواز لغت عربی الاصل ہے نہ معرب اور سدا سین سے ہرگز فارسی میں آواز کو نہیں کہتے۔ ہاں اردو کے محاورے میں بہ معنی ہمیشہ کے مستعمل ہے۔ قصہ کوتاہ غربال بہ معنی چھلنی کے لفظ فارسی الاصل، صحیح اور فصیح ہے اور عربال اگر کسی اور فرہنگ میں مثل ''قاموس'' اور ''صراح'' وغیرہ کے بہ معنی چھلنی کے نکلے تو اس کو مانو۔ ورنہ یہ برہان قاطع والے کے خرافات میں سے ہے۔

۲۷۔فروری ۱۸۶۱ء نجات کا طالب، غالب

---

[1] اس خط میں تاریخ درج نہیں، لیکن اس کے آخر میں ہے کہ تذکیر و تانیث کے متعلق سرور سے مشورہ لے لیا کرو۔ سیاح نے سمجھا کہ یہ سرور کی شاگردی کا مشورہ ہے۔ چنانچہ غالب کو لکھ دیا۔ میرزا نے خط نمبر ۷ میں اس غلط فہمی کی تردید کی۔ لہذا میں نے زیر غور خط کو نمبر ۶ لکھا۔ یہ ۱۸۶۱ء کے اوائل کا ہونا چاہیے۔ اس وقت سرور بنارس میں راجا کے پاس ملازم تھے۔[2] رجب علی بیگ سرور مصنف، فسانہ عجائب وغیرہ۔

(۸)

صاحب،

کل آپ کا خط آیا۔ میرا دھیان لگا ہوا تھا۔ کہ آیا میاں سیاح کہاں ہیں اور مجھ کو کیوں بھول گئے؟ پہلا خط تمہارا جس کا حوالہ اس خط میں دیتے ہو۔ میں نے نہیں پایا ورنہ کیا امکان تھا کہ جواب نہ لکھتا۔ جناب منشی میر امیر علی صاحب سے مجھ سے ملاقات نہیں۔ لیکن ان کے محامد و مکارم سنتا ہوں۔ جناب مولوی اظہار حسین صاحب سے البتہ اسی شہر میں دو ملاقاتیں ہوئی ہیں لیکن میں نے ان کو فقیر دوست اور دوا ندیش نواز نہ پایا۔ اغنیا کے واسطے اچھے ہیں۔ ہائے مولوی محمد حسن اور مولوی عبدالکریم۔ اس عہد میں اگر ان بزرگوں میں سے ایک ہوتا تو میں کیوں قسمت کو روتا؟ وقت گزرنا جاتا ہے، بات رہ جاتی ہے۔

ہاں، خاں صاحب، آپ جو کلکتے پہنچے ہو سب صاحبوں سے ملے ہو تو مولوی فضل حق[۲] کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو کہ اس نے رہائی کیوں نہ پائی اور وہاں جزیرے میں اس کا حال ہے؟ گزارا کس طرح ہوتا ہے؟

---

[۱] یعنی اسے طشت لکھنا غلط ہے۔ تشت لکھنا چاہیے [۲] مولانا فضل حق خیر آبادی جو آخری دور میں ادب اور معقول کے امام مانے جاتے تھے۔ غدر میں بہ الزام اعانت باغیاں انگریزوں نے ان پر مقدمہ چلایا اور حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا دی

(باقی صفحہ ۳۷۰ پر)

جمعہ ۴۔ ماہ اکتوبر ۱۸۶۱ء غالب

(۹)

صاحب،

آج تمہارے کئی خطوں کا جواب لکھتا ہوں۔ مولوی کرامت علی صاحب میرے شفیق ہیں۔ جس زمانے میں وہ دلی آئے تھے۔ میری ان ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ وہ میرے دوست ہیں۔ شاگرد نہیں اور ہرگز قصیدہ انھوں نے میری مدح میں نہیں لکھا۔ آغا عبدالرزاق شیرازی نے گویا میری خستگی اور تہمت زوگی کا انتقام لیا۔ بہر حال میں تمہارا احسان مند ہوں۔ اگر تم نہ ہوتے تو میری اور میر منشی کی صفائی نہ ہوتی۔ ان دنوں ضعف دماغ و دوران سر میں ایسا مبتلا ہوں کہ والی رام پور کا بہت سا کلام یوں ہی دھرا ہے، دیکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ تمہاری بھیجی ہوئی غزلیں سب محفوظ دھری ہیں، خاطر جمع رکھو۔ جب نواب صاحب کی غزلیں دیکھوں گا تو یہ بھی دیکھی جائیں گی۔

جب حال یہ ہو کہ اصلاح نہ دے سکوں تو فکر تاریخ کیا کروں؟ اگر میرا حال درست ہوتا تو جناب عبدالغفور خاں صاحب نساخ کے دیوان کی تاریخ ضرور لکھتا اور اس خدمت گزاری کو اپنی سعادت سمجھتا۔ آپ جناب مولوی صاحب سے میرا سلام کہیں اور یہ میرا رقعہ ان کو دکھادیں۔

چہارشنبہ ۲۰۔ نومبر ۱۸۲۱ء نجات کا طالب،

غالب

(۱۰)

جناب منشی صاحب،

آپ کا خط، مہری لفٹنٹ گورنر آگرہ کروہ میرا بھیجا ہوا تھا۔ پہنچا۔ اسکے بھیجنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ جب گورنمنٹ اعلیٰ نے مجھ کو خط لکھنا موقوف کیا تو لفٹنٹ گورنروں کے اگلے زمانے کے خطوط میرا دل کیا ک خوش ہوگا۔ ایسے ایسے پچاس ساٹھ خطوط میرے پاس موجود ہیں۔ مجھ کو تو چھ آنے کے پیسوں کا افسوس ہے، جو تم نے بابت محصول دیے۔

مرقوم: ۱۰ فروری ۱۸۶۲ء　　راقم اسد اللہ

(۱۱)

آیئے بیٹھے مولانا سیاح، السلام علیکم، مزاج مبارک، سورت کا پہنچنا، بہ ہرصورت مبارک ہو۔ بھائی میرا دل بہت خوش ہوا کہ تم اپنے وطن پہنچے۔ لیکن تم کو چین کہاں؟ خدا جانے کے ہفتے کے مہینے ٹھہرو گے اور پھر سیاحت کو نکلو گے۔ جی میں کہو گے آؤ اب دکن کی سیر کریں۔ حیدر آباد، اورنگ، آبا دونوں شہر اچھے ہیں۔ ان کو دیکھیں۔

میرزا معین الدین حسین خاں اور میرزا محمد حسین خاں، یہ دونوں بیٹے ہیں۔ نواب قدرت اللہ بیگ خاں کے اور قدرت اللہ بیگ

(بقیہ حاشیہ ۳۶۹) انھوں نے جزائر انڈیان میں وفات پائی، ۱۲۔صفر ۱۲۷۸ھ۔ انڈیمان

خان ابن عم تھے۔ نواب خدا بخش خاں کے اور معین الدین حسین خان کی بہن منسوب ہے، بھائی ضیاء الدین خاں سے۔

یہاں کوئی امر نیا واقع نہیں ہوا۔ وہی حالات و اطوار ہیں، جو دیکھ گئے ہو۔ مسجد جامع کے باب میں کچھ پرسشیں لاہور سے آئی تھیں۔ یہاں سے انکے جواب گئے ہیں۔ یقین ہے کہ واگزار کا حکم ہے آئے اور مسلمانوں کو مل جائے۔ ہنوز بدستور پہرا بیٹھا ہوا ہے اور کوئی جانے نہیں پاتا۔ والسلام مع الاکرام۔

صبح شنبہ ۲۔ ذیقعدہ و ۵ مئی ۱۸۶۱ء غالب

(۱۲)

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان،

شکوہ تمہارا میرے سر آنکھوں پر، مگر کوئی خط تمہارا جواب طلب نہ تھا۔ اشعار کی اصلاح سے میں نے ہاتھ اٹھایا۔ کیا کروں؟ ایک برس سے عوارض فسادِ خون میں مبتلا ہوں۔ بدن پھوڑوں کی کثرت سے سرد چراغاں ہو گیا ہے۔ طاقت نے جواب دیا۔ دن رات لیٹا رہتا ہوں۔ کھانا کھاتے وقت پلنگ پر سے اتر بیٹھنا ہوں۔ کھانا کھا کر ہاتھ دھو کر پھر پڑ رہتا ہوں۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے۔ اتر کر پیشاب کیا جاتا ہے۔ بیت الخلا جانا ایک مصیبت ہے۔ تشت چوکی سہی۔ مگر کئی قدم جانا، پھر آنا کیا ایسا آسان ہے۔ ایک کم ستر برس کی عمر ہوئی۔ اب نجات چاہتا ہوں۔ بہت جیا۔ کہاں تک جیوں گا۔ (اب تم دوسرے صفحہ کو پڑھو)

جناب نواب سید غلام بابا خاں صاحب کی خدمت میں سلام کہنا اور ولادت فرزند کی مبارک باد دینا۔ اور یہ قطعہ تاریخ نذر کرنا:

میر بابا یافت فرزندے کہ ماہ چاردہ
بر فراز لوح گردو گردہ تمثال اوست
فرخی بینی و یابی بہرہ از ناز و طرب
از سر نازو طرب ہفرزند فرخ فال اوست

۱۲۸۰ھ ناز کے نون کے پچاس اور طرب کی طوے کے نو فرخ فال پر بڑھانے ہوں گے۔

پنجشنبہ ۱۴۔ اگست ۱۸۶۳ء غالب

صاحب،

یہ سر پیٹنے کی جگہ ہے کہ تمہارا کوئی خط ڈاک میں ضائع نہیں ہوتا اور میرا کوئی خط تم کو نہیں پہنچتا۔ سنو، چھوٹے صاحب[۲] کا خط آیا۔ اس میں قطعہ کا شکریہ اور اجزائے کتاب کے بھیجنے کی تاکید کی تھی۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ اس کتاب کا چھاپا یہاں ہی شروع ہو گیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بعد انطباع ایک مجلد آپ کے واسطے اور ایک منشی میاں دادخاں کے واسطے بسبیل ڈاک پارسل بھیجوں گا۔ اب تم نواب صاحب سے میرا سلام کہو اور یہ اپنے نام کا خط ان کو پڑھا دو اور ایک پتا تم کو دیتا

---

[۲] یعنی ۲۔ ذیقعدہ ۱۲۷۸ھ (۲ مئی ۱۸۶۲ء) [۲] مراد ہے میر غلام بابا خاں

ہوں۔ نواب صاحب کا جو خط طلب کتاب کے باب میں آیا تھا۔ اس میں مندرج تھا کہ اب میں سورت کو جاتا ہوں۔ تم اجزائے کتاب کا پارسل اس پتے سے سورت بھیجنا۔ بھائی میں نے اسی پتے سے خط بھیجا تھا۔ نہ پہنچے تو میرا گناہ کیا گناہ، پیڈ خط گاہ گاہ تلف بھی ہو جاتا ہے۔ نظر اس بات پر یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں۔ تاکہ ضائع نہ ہونے کا احتمال قوی رہے۔ فقط

صبح دوشنبہ ۱۴۔ ربیع الثانی مطابق ۱۷۔ ستمبر سال حال!

غالب

(۱۴)

منشی صاحب،

یہ کیا اتفاق ہے کہ میری بات کوئی نہیں سمجھتا:

کس زبان مرا نمے فہمد

بہ عزیزاں چہ التماس کنم

یاد کرو اصل مقدمہ یہ تھا، کہ قاطع برہان کو دوبارہ چھپوانا چاہتا ہوں۔ نواب صاحب مدد دیں۔ یعنی دوسو جلدیں خرید لیں۔ حضرت صاحب نے ایک گھڑی عنایت فرمائی۔ بھلا یہ میرے کس کام کی؟ چار دن سوچا کیا پھیر دوں۔ پھر سوچا کہ برا مانیں گے۔ آخر کو گھڑی رکھ لی اور خیال کیا کہ کتاب کے انطباع کے بعد سو ڈیڑھ سو جلدیں بھیج دوں گا۔ اسی خط کے ساتھ نواب صاحبؒ کے نام کا خط گھڑی کی رسید کا تم کو پہنچتا ہے۔ اور یہ بھی تم کو معلوم رہے کہ گھڑیہ کی کنجی نہیں آئی۔ ظاہر سہو سے وہیں رہی ہوگی۔

ہاں صاحب، تیس جلدیں لطائف غیبی، کی دو پارسلوں میں آگے بھیجی ہیں جس کی قیمت دس روپے مجھ کو پہنچے۔ فی الحال ایک جلد اور اپنی طرف سے بھیجی ہے۔ رسید جلد لکھو۔

۳۔ دسمبر ۱۸۶۴ء غالب

(۱۵)

سعادت و اقبال نشان سیف الحق منشی میاں داد خاں سیاح کو فقیر غالب کی دعا پہنچے خط میں آپ نے بہت سے مطالب لکھے۔ مگر کتابوں کے دو پارسلوں کی رسید نہیں لکھی ۔ یہ ایک پارسل بہ بعد دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے۔ اس میں دہی ، لطائف غیبی ، جس کو میں نے اپنے مطالعے میں رکھ کر صحیح کیا ہے۔ اس کے بھیجنے سے یہ مدعا ہے کہ تم ان تیس رسالوں کو اس کے مطابق صحیح کر لو اور اگر چھوٹے صاحب نے رکھ لیا ہے۔ تو ان سے مستعار لے کر اپنی سب کتابیں صحیح کر لو اور وہ نسخہ ان کی نذر کر دو۔

صاحب ، میں نے اپنے صرف زر سے ، لطائف غیبی ۔ کی جلدیں نہیں چھپوائیں۔ مالک مطبع نے اپنی بکری کو چھاپیں۔ بیس میں نے مول لیں۔ تیس تم کو دلوا دیں۔ بیس بھائی ضیاء الدین نے لیں۔ دس مصطفیٰ خاں نے لیں۔ باقی کا حال مجھے معلوم نہیں۔

۱۴۱۔ ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۷۔ ستمبر ۱۸۶۴ء

دیکھو سیف الحق ، سعدیؒ کا قول کیا سچا ہے:

اگر دنیا نہ باشد ، درد مندم
وگر باشد ، بہ مہرش پائے بندم
بلائے زیں جہاں آشوب تر نیست
کہ رنج خاطر است ، ارہست و رنیست

جہاں دولت نہیں وہاں مصیبت ہے، جہاں دولت ہے وہاں خصوصیت ہے۔
میں تو میر غلام بابا خاں کا دوست ہوں۔ ان کی فتح کی دعا مانگتا ہوں، آپ اتنی مہربانی کریں کہ یہ حالات جو واقع ہوا کریں۔ وہ مجھ کو لکھا کریں۔

غربیلہ کی ہندی نخرہ ہے۔ فارسی میں غربیلہ بولتے ہیں۔

پنجم شعبان ۱۲۸۱ھ مطابق ۳۔ جنوری ۱۸۶۵ء

نجات کا طالب، غالب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱۶)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان، سیف الحق میاں دادخاں سلمکم اللہ تعالیٰ!

منشی صاحب کی طرف سے دعا و سلام قبول کریں۔ چھوٹے صاحب کی تصویر کی رسید میں بھائی محمد حسین خاں سے کہا گیا تھا کہ تم تصویر کے پہنچنے کی اطلاع دے دینا۔ سو اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اطلاع دی ہے۔ حال تصویر کا یہ کہ میں نے اسے سر پر رکھا۔ آنکھوں سے لگایا۔ گویا چھوٹے صاحب کو دیکھا۔ لیکن اس کا سبب نہ معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے ہم سے بات نہ کی۔ خیر، دیدار تو میسر ہوا۔ گفتار بھی اگر خدا چاہے گا سن لیں گے۔ منشی صاحب آئینے کی تصویر! کی صنعت کو سب پسند کرتے ہیں۔ مگر فقیر اس کا معتقد نہیں۔ اب دیکھو حضرت کی تصویر میں کہنیوں تک ہاتھ کی تصویر ہے۔ آگے پہنچے اور نیچے کا پتا نہیں۔ مکالمہ ایک طرف مصافحے کی بھی حرکت رہ گئی۔ اس وقت جدا گانہ خط لکھنے کی فرصت نہیں۔ نواب صاحب سے میرا بہت بہت سلام اور اشتیاق کہنا۔ جک بلکہ یہ خط ان کو ضرور دینا کہ وہ پڑھ لیں۔ میں سادات کا نیاز مند اور علیؑ کا غلام ہوں:

بندہ شاہ شمائیم و ثنا خواں شما

۱۷ ذیقعد ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۳۔ اپریل ۱۸۶۵ء نجات کا

طالب غالب

(۱۷)

صاحب،

مہربانی نامہ کہ گویا الفاظ اس کے سراسر نواب میر غلام بابا خاں صاحب کی زبانی تھے۔ پہنچا۔ جواب لکھتا ہوں اور پرسش کا شکر بجا لاتا ہوں۔ ایک قرن بارہ برس سے فردوس مکان نواب یوسف علی خاں والی رام پور اپنے اشعار میرے پاس بھیجتے تھے اور سو روپیہ مہینہ ماہ بماہ بسبیل ہنڈوی بھجواتے تھے۔ اس مغفور کی اندازہ دانی دیکھیے کہ مجھ سے کبھی اس روپے کی رسید نہیں لی۔ اپنے خط میں ہنڈوی بھیجا کرتے، میں خط کا جواب لکھ بھیجتا۔ اس ماہانہ کے علاوہ کبھی دوسو، کبھی

افوٹو۔

ڈھائی سو بھیجتے رہتے۔ فتنہ و فساد کے دنوں میں قلعہ کی آمد مفقود۔ انگریزی پنس مسدود۔ یہ بزرگوار مجھ مقرری ماہ بماہ اور فتوح گاہ گاہ بھیجتا رہا۔ تب میری اور میرے متوسلوں کی زیست ہوئی۔ رئیس حال کو خدا بدولت و اقبال ابدا موبدا سلامت رکھے مجھ مقرری کی ہنڈوی ہر مہینے بحسب دستور قدیم بھیجے جاتا ہے۔ فتوح کی رسم دیکھیے جاری رہے یا نہیں۔

میرے پاس روپیہ کہاں جو۔ قاطع برہان کو دوبارہ چھپواؤں۔ پہلے بھی نواب مغفور نے دوسو روپے بھیج دیے تھے۔ تب پہلا مسودہ صاف ہو کر چھپوایا گیا تھا۔ اب بھی وعدہ کیا تھا کہ اپریل کی مجھ مقرری کیساتھ دوسو پہنچیں گے۔ وہ آخر اپریل ۱۸۶۵ء حال میں مر گئے۔ اپریل کا پیہ رئیس حال سے میں نے پایا۔ مصرف کتاب

کا روپیہ نہ آیا۔ یا دلاؤں گا۔ مگر اس مرحوم کا وعدہ سر شتہ دفتر سے نہ تھا۔ جواز دے دفتر اس کی تصدیق ہو۔ بہ ہر حال فکر میں ہوں۔ اگر اسباب نے مساعدت کی فھو المراد، ورنہ:

آنچہ ما در کار داریم اکثرے در کار نیست

منشی صاحب، اس خط کو ضروری جان کر بیرنگ بھیجتا ہوں۔

۳۰۔ جولائی ۱۸۶۵ء نجات کا طالب،

غالب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱۸)

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان، منشی میاں داد خاں سیاح، سیف الحق سلمکم اللہ تعالیٰ!

دعا اور سلام اور شکر اور سپاس، تمہارا خط مرقومہ ۳۰ اگست پرسوں بروز جمعہ، ۸، ستمبر ۱۸۶۵ء کو پہنچا۔ کل دسویں ستمبر ماہ حال کو سو روپے مندرجہ اس کے ایک صراف سے وصول ہو گئے۔ چھوٹے صاحب نے بڑی جوانمردی اور بڑی ہمت کی۔ اس صرف میں میرا کام ہوا ان کا نام ہوا۔ اللہ اللہ، اب بھی ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں کہ نہ میں نے ان کو دیکھا۔ نہ انھوں نے مجھ کو دیکھا۔ نہ میرا کوئی حق ان پر ثابت نہ انکو کوئی خدمت مجھ سے یعنی منظور۔ خیر۔ فقیر ہوں جب تک جیوں گا۔ دعا دوں گا۔ تمام عمر ممنوں اور شرمندہ رہوں گا۔ تمہارا بھی احسان مانوں گا۔ اب دو ایک دن میں کاغذ آ جائے تو اس کا انطباع شروع ہو جائے گا۔ تم نواب صاحب کو میرا سلام کہو اور یہ خط دکھا دو اور عرض کرو کہ آج تک کسی بھائی یا دوست کا روپے پیسے کا احسان مند نہیں ہوا تھا۔ اب احسان بھی اٹھایا تو اپنے آقا علی مرتضیٰؑ کے فرزند کا۔

وہ جو ایک اور کتاب کا تم نے ذکر لکھا ہے۔ وہ ایک لڑکے پڑھانے والے ملا ے مکتب دار کا خط ہے۔ رحیم بیگ اس کا نام میرٹھ کا رہنے والا بڑ مزے کی بات ہے کہ اس میں بیشتر وہ باتیں ہیں جن کو لطائف غیبی، میں رد کر چکے ہو، بہ ہر حال اس کے جواب کی فکر نہ کرنا۔ فقط والسلام والاکرام،

دوشنبہ ۱۱ ستمبر ۱۸۶۵ء نجات کا طالب غالب

۱؎ نواب کلب علی خاں والی رام پور ۲؎ ساطع برہان جو قاطع برہان کے رد میں میرزا رحیم بیگ نے لکھی تھی۔

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان، سیف الحق میاں دادخاں، تم سلامت رہو۔ تمہارے خط کے صفحہ سادہ پر یہ سطریں رقم کرتا ہوں۔ تا کہ تم اپنے خط کے پہنچنے سے اطلاع پاؤ۔ نامہ غالب، صاحب مطبع نے اپنی بکری کے واسطے نہیں چھاپی۔ جو میں مول لے کر بھیجوں اور تم سے اس کی قیمت مانگ لوں۔ میں نے آپ تین سو جلدیں چھپوائیں۔ دو رنزدیک بانٹ دیں۔ آج یک شنبہ ہے۔ پارسل روانہ ہوگا۔ جتنے یہ نسخے اب میرے پاس باقی ہیں۔ کل تمہیں بھیج دوں گا۔

ہاں صاحب، سو روپے کا نوٹ پہنچا اور روپیہ وصول ہوا۔ کاپی! آج شروع ہو گئی ہے۔ جس دن نوٹ پہنچا۔ اس کے دوسرے دن روپیہ مل گیا۔ تیسرے دن میں نے تم کو تمہارے رجسٹری وار خط کا جواب لکھ بھیجا۔ یقین ہے کہ میرا خط پہنچ گیا ہوگا اور تم نے بموجب میری خواہش کے نواب صاحب کو دکھایا ہوگا۔ کل حضرت کا بھی ایک خط آیا ہے۔ اس کا جواب بھی آج تمہارے خط کے ساتھ ارسال ہوتا ہے۔ بندہ پرور۔ سچ کہتے ہو۔ رحیم بیگ کا وطن اصلی سردھنہ اور فی الحال میرٹھ میں مقیم اور معلمی اسکا پیشہ ہے اور آٹھ دس برس سے اندھا۔ نظم و نثر میں مولوی امام بخش صہبائی کا شاگرد اور فارسی شعر کہتا ہے۔

یک شنبہ ۱۷ ستمبر ۱۸۶۵ء

راقم، غالب علی شاہ

(۲۰)

صاحب،

میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ تم اپنے وطن گئے اور عزیزان وطن کو دیکھ کر خوش ہوئے اور مع الخیر والعافیہ بابا خاں صاحب سے حصہ برادارانہ۔ ڈیڑھ سو جلد کا پشتا رہ بنوایا۔ اس پر ٹاٹ لپٹوایا۔ ڈاک گھر بھجوایا۔ مسترد آیا۔ سرکاری ڈاک والوں نے ہرگز اس کا بھیجنا قبول نہ کیا۔ ٹھیکے والوں، پمفلٹ پاکٹ والے، ریل والے۔ متفق للفظ اس کے ارسال سے انکار کرتے ہیں۔ تم یہ رقعہ حضرت کو پڑھواؤ اور اس باب میں جو وہ فرمائیں۔ وہ مجھ کو لکھو۔ مدعا یہ ہے کہ کسی طرح یہ پشتارہ وہاں پہنچ جائے۔ اس خط کا جواب جس قدر جلد لکھو گے۔ مجھ پر زیادہ احسان کرو گے۔

سہ شنبہ ۲۳۔ جنوری ۱۸۶۶ء نجات کا طالب،

غالب

(۲۱)

غشی صاحب، سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خاں کو فقیر اسد اللہ خاں کا سلام، کل سہ شنبہ ۲۰۔ فروری صبح

[۱] یعنی قاطع برہان کی کاپی [۲] میرزا نے قاطع برہان دوبارہ چھپوائی تھی تو اس کا نام درفش کاویانی رکھا تھا۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۲۲)

خاں صاحب، سعادت و اقبال نشان میاں داد خاں سیاح کو فقیر گوشہ نشین کا سلام پہنچے۔ تمہارا کوئی خط سوائے اس خط کے، جس کا جواب لکھتا ہوں۔ ہرگز نہیں پہنچا۔ بہت دن سے مجھ کو خیال تھا کہ مولانا سیاح نے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ کل ناگاہ تمہارا خط پہنچا۔ آج اس کا جواب لکھتا ہوں۔

مہر میں نے تو کھودنے کا نہیں جو اس قدر عذر چاہتے ہو۔ کھدوا دینے میں کیا تکلیف اور کیا زحمت؟ میں احباب کا خادم ہوں۔ میر غلام بابا خاں سے میرا سلام کہیے اور وہ نگیں مع نقشہ بے تکلف بھیج دیجئے۔ آپ کے حکم کی تعمیل اور اس نگیں کی درستی ہو جائے گی۔ خاطر جمع رہے۔ زیادہ کیا لکھوں؟

اجی سیاح صاحب، ہمارا دھیان تم میں لگا رہتا ہے۔ کبھی کبھی خط لکھتے رہا کرو۔ میں ایسا گمان کرتا ہوں کہ اگر میر غلام بابا خاں صاحب کو مہر کھدوانی نہ ہوتی تو وہ تم سے نہ کہتے تو ہرگز مجھ کو خط نہ لکھتے۔ یہ تمہارا خط گویا میر غلام بابا خاں کے حسب الحکم تھا۔ جی میں آیا تھا کہ انھیں کو اس کا جواب لکھوں اور ان کے نام خط بھیجوں۔ مگر پھر سوچا کہ تم آرزدہ ہو جاؤ گے۔ تمہیں کو خط لکھا۔ بھائی، یہ طریقہ فراموش کاری کا اچھا نہیں۔ گاہ گاہ خط لکھا کرو۔ والسلام

یکم مارچ ۱۸۶۶ء　　نجات　　کا

طالب، غالب

(۲۳)

اقبال نشان، سیف الحق کو دعا پہنچے۔ پانچ اشتہار اخبار کی خریداری اور تین اشتہار کتاب کی خریداری کے آپ کے پاس پہنچتے ہیں۔ چھوٹے صاحب کو ملاحظہ کروائیے اور اطراف و جوانب، دور و نزدیک بھیجیے۔ جو صاحب کتاب و اخبار دونوں کے خریدار ہوں۔ وہ اس کے خریدنے کی اطلاع کا خط میر فخر الدین مہتمم اکمل المطابع کے نام لکھیں اور وہ خط میرے پاس بھیج دیں۔ جو صاحب فقط اخبار کے خریدار ہوں۔ وہ اسکی اطلاع کا خط لکھیں۔

۲۲۔ مارچ ۱۸۶۶ء غالب

(۲۴)

مولانا سیف الحق،

اب تو کوئی خط تمہارا نوٹ اور ہنڈوی اور ٹکٹ سے خالی نہیں ہوتا۔ بھلا یہ تو فرمائیے کہ یہ ڈھائی روپے کس بابت کے اور کس جنس کی قیمت کے ہیں؟ اگلے پانچ روپے پر میں بے مزہ ہوا تھا۔ یہ ڈھائی اور طرہ ہوئے۔ بہ ہر حال ان کا حال لکھو کہ کیسے ہیں اور کاہے کے ہیں؟ اس رقعے کا جواب جلد لکھو۔ ٹوپیاں بعد عید بھیجی جائیں گی۔

۲۳۔اپریل ۱۸۶۶ء عنایت کا طالب،

غالب

(۲۵)

صاحب،

میر اسلام تمہارا خط پہنچا۔ دونوں غزلیں دیکھیں۔ خوش ہوا۔ فقیر کا شیوہ خوشامد نہیں اور فن شعر میں اگر اس شیوے کی رعایت کی جائے تو شاگرد ناقص رہ جاتا ہے ۔یاد کرو۔ کوئی غزل تمہاری اس طرح کی نہیں ہوئی کہ جس میں اصلاح نہ ہوئی ہو۔ خصوصا روزمرہ اردو میں، دونوں غزلیں لفظا اور معنی بے عیب ہیں۔ کہیں اصلاح کی حاجت نہیں۔ آفرین اور صد ہزار آفرین۔

میر غلام بابا صاحب واقعی ایسے ہی ہیں۔ جیسا تم لکھتے ہو۔ سیاحت میں دس ہزار شخص تمہاری نظر سے گزرا ہوگا۔ اس گروہ کثیر میں جو تم ایک آدمی کے مداح ہو، تو بیشک وہ شخص ہزاروں میں ایک ہے۔ لاریب فیہ کیا فرمائش کروں اور کیا تم سے منگاؤں؟ وہاں کونسی چیز ہے کہ یہاں نہیں؟ آم مجھ کو بہت مرغوب ہیں، انگور سے کم عزیز نہیں۔ لیکن بمبئی اور سورت سے یہاں پہنچنے کی کیا صورت، مالدے کا آم یہاں پیوندی اور ولایتی کر کے مشہور ہے۔ اچھا ہوتا ہے۔ کمال یہ کہ وہاں بہت اچھا ہوگا۔ سورت سے دلی آم بھیجنے محض تکلف ہے۔ روپے کے آم اور چار روپے محصول ڈاک اور پھر سو سے شاید دس پہنچیں۔ میرے سر کی قسم کبھی ایسا ارادہ نہ کرتا۔ یہاں دیسی آم انواع و اقسام کے بہت پاکیزہ، لذیذ اور خوشبو، افراط سے ہیں۔ پیوندی آم بھی بہت ہیں۔ رام پور سے نواب صاحب اپنے باغ کے آموں میں سے اکثر بسبیل ارمغان بھیجتے رہتے ہیں۔ اے لو! آج بریلی سے ایک بھنگی ایک

دوست ۲ کی بھیجی ہوئی آئی ۔ دوٹوکرے ، ہر ٹوکرے میں سو آم ،کلو داروغہ نے میرے سامنے وہ ٹوکرے کھولے۔ دوسو میں تراسی آم اچھے نکلے اور ایک سو سترہ آم بالکل سڑے ہوئے۔ اوائل جونل ماہ حال میں ایک ہفتہ مینہ برس کر پھر وہی آگ برس رہی ہے اور لو چل رہی ہے۔

سہ شنبہ ۱۷۔ جون ۱۸۶۶ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۲۶)

بھائی سیف الحق، تمہارا خط پہنچا۔ قاضی صاحب، بڑودہ معاف رکھو۔ اگر کوئی وجہ اپنے پر ان کے عتاب کی پاتا تو ان سے عذر کرتا اور اپنا معاف کرواتا۔ جب سبب ملال کا ظاہر نہیں تو میں کیا کروں؟ تم برا نہ مانو، کس واسطے کہ اگر میں برا ہوں۔ تو اس نے سچ کہا اور اگر میں اچھا ہوں اور اس نے برا کہا تو اس کو خدا کے حوالے کرد:

۱؎ یعنی انھیں سونگھا جائے تو ان میں سے عمدہ خوشبو آئے۔ ۲؎ قاضی عبدالجمیل جنون۔

غالب برا نہ مان جو دشمن برا کہیں ۱؎
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے ؟

صاحب۔ اس بڑھاپے میں تصویر کے پردے میں کہاں کھچا کھچا پھروں؟ گوشہ نشین آدمی، عکس کی تصویر اتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں، دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں کھچی ہوئی ہے۔ اگر ہاتھ آ جائے گی تو وہ ورق بھیج دوں گا۔

اجی، وہ میں نے نواب صاحب کو ہنسی سے ایک بات لکھی تھی۔ دوستانہ اختلاط تھا۔ بھئی میں بہرا ہوں۔ گانا کیا سنو گا؟ بوڑھا ہوں۔ ناچ کیا دیکھو گا؟ غذا چھ ماشے آٹا۔ کھانا کیا کھاؤں گا۔ بمبئی، سورت میں انگریزی شرابیں ہوتی ہیں۔ اگر وہاں آتا تو شریک محفل ہوتا تو پی لیتا۔

۵۔ ستمبر ۱۸۶۶ء نجات کا طالب، غالب

(۲۷)

صاحب،

میں تم سے شرمندہ ہوں، پہلا خط تمہارا مع قصیدہ پہنچا۔ میں قصیدہ کسی کتاب میں رکھ کر بھول گیا۔ اب دوسرا خط دیکھ کر قصیدہ یاد آیا۔ ہر چند ڈھونڈا۔ نہ پایا۔ بڑی بات ہے کہ اس قدر مجھ کو یاد ہے کہ اسی وقت میں نے ان اشعار کو سرسری دیکھ لیا تھا۔ اشعار سب ہموار تھے۔ تم اندیشہ نہ کرو اور قصیدہ نذر گزرانو اور مع الخیر وطن کر جاؤ۔ لیکن بھائی وطن پہنچ کر ضرور مجھ کو خط لکھنا اور اپنے گھر کا پتا لکھنا تا کہ میں اس نشان سے تم کو یہ خط بھیجوں۔ نواب میر غلام بابا خاں صاحب کو فقیر کی طرف سے سلام کہنا۔ فقط

صبح سہ شنبہ ۱۸۔ نومبر ۱۸۶۶ء

(۲۸)

صاحب،

وہی جہان وہی زمین وہی آسمان وہی سورت۔ وہی دلی۔ وہی نواب میر غلام بابا خاں، وہی سیف الحق سیاح، وہی غالب نیم جان، انگریزی ڈاک جاری، ہر کاروں کو ریل کی سواری۔ ربیع الاول میں تمہارا خط آیا۔ ربیع الثانی جمادی الاول، جمادی الثانی رجب، آج شعبان کی ۱۶ ہے۔ صبح کیوقت یہ خط لکھ رہا ہوں۔ آٹھ بج گئے ہیں۔ اس وقت تک نہ کوئی تمہارا خط آیا۔ نہ کوئی نواب صاحب کا عنایت نامہ، واسطے خدا کے میرے اس خط کا جواب جلد لکھو اور اس خط میں ترک نامہ و پیام کا سبب لکھو۔ آج ہی کے دن ایک پارسل چھ ٹوپیوں کا ارسال کرتا ہوں۔ خدا کرے۔ پارسل پہنچ جائے۔ اور ٹوپیاں تمہارے پسند آئیں۔ نواب صاحب کی خدمت میں میرا اسلام پہنچانا اور عتاب کی وجہ دریافت کر کے لکھنا۔ خط بیرنگ ہے اور پارسل پیڈ،

۳۔ جنوری ۱۸۶۷ء نجات کا طالب، غالب

منشی صاحب، شفیق، بدل مہربان، عزیز تر از جان، سیف الحق میاں داد خاں کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔ پڑھوں

۱؎ دیوان، میں مصرع یوں ہے۔ غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے

نواب صاحب کا خط اور کل تمہارا خط آیا۔ صاحب، ٹوپیوں کی حقیقت یہ ہے کہ تم نے لطائف غیبی کی پندرہ جلدیں سات روپے آٹھ آنے دام بھیج کر منگوائیں۔ پھر دو روپے کے ٹکٹ بھیج کر ٹوپیاں منگوائیں۔ میں نے تمہارے بھیجے ہوئے وپوں کی ٹوپیاں خرید کر تم کو بھیج دیں۔ تم پہنو چاہے چھوٹے صاحب کی نذر کرو۔

یہ جو میں نے، سیف الحق، خطاب دیا ہے اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے۔ تم میرے ہاتھ ہو۔ تم میرے بازو ہو۔ میر نطق کی تلوار تمہارے ہاتھ سے چلتی رہے گی۔ لطائف غیبی نے اعداء کی دھجیاں اڑا دیں۔

ایک نئی بات سنو، محمد میرزا جان میرے سبھی بھائی کا نواسا ہے۔ اس نے ایک اخبار نکالا ہے مسمی بہ اشرف الاخبار، اس کا ایک لفافہ تم کو بھیجتا ہوں۔ اس کو پڑھ کر معلوم کر لو گے کہ تمہارا ایک اعتراض قتیل کے کلام پر چھاپا گیا ہے۔ اس ارسال و اعلامک سے صرف اطلاع منظور ہے۔ اِاس کو پڑھ کر معلوم کر لو گے کہ تمہارا ایک اعتراض قتیل کے کلام پر چھاپا گیا ہے۔ اس ارسال و اعلام سے صرف اطلاع منظور ہےاِ۔ ہاں ایک بات یہ بھی ہے کہ چھوٹے صاحب کی بھی نظر سے گزر جائے اور اس سرکار میں یہ اخبار خرید کیا جائے اور تم ان کی طرف سے حکم خریداری ابتداء

جنوری ۱۸۶۷ء سے بنام محمد میرزا خاں لکھوا اور وہ خط اس پتے سے دلی روانہ کرو جو ان کے اخبار کے آخر میں لکھا ہے۔

حیران ہوں کہ چھوٹے صاحب کے خط کا کیا جواب لکھوں۔ انھوں نے مجھے شرمندہ کیا۔ اپنے کو چھوٹا اور مجھ کو بزرگ لکھا۔ سید تو سب مسلمانوں کے بزرگ ہوتے ہیں۔ میں تو مسلمانوں میں بھی ایک ذلیل، علیل، فقیر، حقیر آدمی ہوں۔ یہ انکی بزرگی، انکی خوبی ان کی مہربانی ہے۔ حق تعالیٰ انکو سلامت رکھے اور ان مقدمات میں من کل الوجوہ انکی فتح وظفر نصیب ہو۔ میرا سلام کہنا اور یہ عبارت پڑھا دینا۔

ہاں صاحب، برادر یکجان برابر میرزا معین الدین حسین خاں بہادر کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ بھائی میرا جی دیکھنے کو بہت چاہتا ہے۔ پہلے برخوردار شہاب الدین خاں سے صلاح پوچھو۔ وہ اجازت دے تو فوراً ریل پیل کرتے چلے آؤ۔ فقط

سہ شنبہ ۷۔ شوال ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۸۶۷ء

دیدار کا طالب، غالب

(۳۰)

بھائی،

تم جیتے رہو اور مراتب علیا کو پہنچو۔ لو ایک ہنسی کی بات سنو، تمہارا خط منشی کنہیا لال کے نام کے میرے پاس آیا۔ ہر چند میں نے خیال کیا۔ اس نام کا کوئی آشنا مجھے یاد نہ آیا۔ یہ نادانی انکی کہ مجھ سے کہہ نہ دیا۔ کہ میرے نام کا خط آئے۔ تو میرے پاس

بھیج دینا۔ بے خبری میں جو خط آیا۔ میں نہ نام سے واقف نہ مقام سے واقف خط نہ پھیر دوں تو کیا کروں؟ خط کے واپس کرنے کے بعد ایک دن آپ[۲] بھائی میرزا محمد حسین خاں[۳] کے ساتھ میرے پاس آئے اور تعارف قدیم یاد دلایا۔ دیکھنا میاں کیا خوب بیان ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں غدر سے پہلے دو تین بار تیرے پاس حاضر ہوا ہوں۔ انصاف کرو۔ دو تین ملاقاتیں اور دس گیارہ برس کی بات، میں نسیان کا پتلا۔ میرا قصور کیا؟ بہ ہر حال یہ شریف ہیں اور عمدہ روزگار کیے ہوئے ہیں۔

صاحب، میں نے اودھ اخبار، میں دیکھا کہ چھوٹے صاحب مقدمہ جیتے اور بمبئی کے صاحبوں میں ان کی افزایش جاہ و جلال و تعظیم و توقیر کمال ہوئی۔ میں تو تہنیت میں خط لکھوں گا۔ مگر رشک آتا ہے ہے کہ بحوالہ اودھ اخبار لکھوں اور بحوالہ سیف الحق نہ لکھوں۔ زیادہ زیادہ۔

۳۱۔ مارچ ۱۸۶۷ء

اسد اللہ غالب

۱؎ اس سے ظاہر ہے کہ غالب نے خود ہی اعتراض لکھ کر سیاح کے نام سے اخبار میں چھپوا دیا تھا۔ اسی طرح لطائف غیبی، خود لکھی اور سیاح کے نام سے چھاپی۔ ۲؎ منشی کنہیا لال۔ ۳؎ میرزا معین الدین حسین خاں کے بھائی۔

---

(۳۱)

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان، عزیز تر از جان سیف الحق میاں داد خاں سیاح کو غالب کی دعا پہنچے۔ پرسوں ایک خط تمہارا ایک چھوٹے صاحب کا

پہنچا۔تمہارے خط میں پچاس روپے کے دونوٹ پہنچے۔سو روپے وصول ہو گئے۔ آج تم کو اطلاع اور نواب صاحب کا شکریہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں۔

بھائی تم نے اخبار اطراف و جوانب میں میرا حال دیکھا ہوگا۔ میں اب محض نکما ہو گیا۔خدا جھوٹ نہ بلوائے پچاس جگہ سے اشعار واسطے اصلاح کے آئے ہوئے بکس میں دھرے ہیں۔ازاں جملہ تین صاحبوں کے نام لکھتا ہوں۔میرا ابراہیم ضل خاں صاحب،میر عالم علی خاں صاحب،نواب عباس خاں،رئیس حال رام پور کے حقیقی ماموں،غرضیکہ انھیں اوراق میں تمہارے کاغذ بھی دھرے ہوئے ہیں۔جس دن ذرا افاقہ پاؤں گا۔تو ان سب کو اغذ کو دیکھوں گا۔

۲۳۔اپریل ۱۸۶۷ء

(۳۲)

بھائی،

تمہارا خط پہنچا۔ آج جواب لکھتا ہوں۔ پہلے یہ پوچھتا ہوں کہ میری طرف سے جو اعتذاز چھپا ہے وہ تمہاری نظر سے گزرا ہے یا نہیں، نہ گزرا ہو۔ تو اکمل الاخبار ماہ شوال کے چاروں ہفتے کے دو رقے دیکھ لو۔ ایک ہفتے میں نکل آئیگا۔ ۱۲۔

واقعی اعتراض کے جواب ایک مولوی نے لکھے ہیں۔ اس ہفتے کے اکمل الاخبار میں دیکھ لو۔ جو تم سے کلام کرے اسی انداز سے تم بھی کلام کرو۔

۲۹۔ اپریل ۱۸۶۷ء نجات کا طالب، غالب

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان، سیف الحق منشی میاں داد خاں سیاح کو غالب ناتواں نیم جان کی دعا پہنچے۔ بھائی میرا حال اسی سے جانو کہ میں خط نہیں لکھ سکتا۔ آگے لیٹے لیٹے لکھتا تھا۔ اب رعشہ و ضعف بصارت کے سبب سے وہ بھی نہیں ہوسکتا۔ جب حال یہ ہے تو کہو صاحب، میں اشعار کو اصلاح کیوں کر دوں؟ اور پھر اس موسم میں کہ گرمی میں سر کا بھیجا پگھلا جاتا ہے۔ دھوپ کو دیکھنے کی تاب نہیں۔ رات کو صحن میں سوتا ہوں۔ صبح کو دو آدمی ہاتھوں پر لے کر دالان میں لے آتے ہیں۔ ایک کوٹھری ہے اندھیری۔ اس میں ڈال دیتے ہیں۔ تمام دن اس گوشہ تاریک میں پڑا رہتا ہوں۔ شام کو پھر وہ آدمی بدستور لے جا کر پلنگ پر صحن میں ڈال دیتے ہیں۔

تمہاری غزلیں، میر ابراہیم علی خاں بہادر کی غزلیں، میر عالم علی خاں بہادر کی غزلیں، حکیم میر احمد حسن صاحب کی غزلیں ل اور کیا کہوں کس کس کی غزلیں ک، یہ سب ایک جگہ دھری ہیں۔ اگر کوئی دن زندگی اور ہے اور یہ گرمی خیر سے گزر گی تو سب غزلوں کو دیکھوں گا۔

تصویر کا حال یہ ہے کہ ایک مصور صاحب میرے دوست، میرے چہرے کی تصویر اتار کر لے گئے۔ اس کو تین مہینے ہوئے۔ آج تک بدن کا نقشہ کھینچنے کو نہیں آئے۔ میں نے گوارا کاے آئینے پر نقشہ اتروانا بھی۔ ایک دوست اس کام کو کرتے ہیں۔ عید کے دن وہ آئے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ بھائی میری شبیہ

کھینچ دو۔ وعدہ کیا تھا کہ کل نہیں تو پرسوں اسباب کھینچنے کا لے کر آؤں گا۔ شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ محرم، یہ پانچواں مہینا ہے۔ آج تک نہیں آئے۔

آغا غلام حسین خاں صاحب کا قطعہ پہنچا۔ اس میں کچھ تو شعر اصلاح طلب بھی تھے۔ اب اصلاح دے کون؟ میں تو اپنی مصیبت میں گرفتار، بارے ایک میرا شاگرد رشید منشی ہرگوپال تفتہ بسواری ریل میرے دیکھنے کو آیا تھا اس کو موقع و محل بتا دیا۔ جو میں کہتا گیا۔ اسی طرح وہ بتاتا گیا۔ وہ قطعے کا کاغذ بعد اصلاح کے اکمل المطابع میں بھیج دیا۔ ہفتہ آیندہ میں تم بھی دیکھ لوگے۔

۱۱۔ جون ۱۸۶۷ء مرگ ناگاہ کا طالب، غالب

نورچشم اقبال نشان، سیف الحق میاں دادخاں سیاح کو غالب نیم جان کی دعا پہنچے۔واقعی تمہارے دو خط آئے ہیں۔آگے لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا۔اب وہ بھی نہیں ہوسکتا۔ ہاتھ میں رعشہ، آنکھوں میں ضعف بصر، کوئی متصدی میرا نوکر نہیں۔ دوست آشنا کوئی آجاتا ہے۔تو اس سے جواب لکھوا دیتا ہوں۔

بھائی، میں تو کوئی دن کا مہمان ہوں۔اور اخبار والے میرا کیا حال جانیں؟ ہاں ''اکمل الاخبار، اور اشرف الاخبار، والے کہ یہ یہاں کے رہنے والے ہیں او رمجھ سے ملتے رہتے ہیں۔سو ان کے اخبار میں نے اپنا مفصل حال چھپوا دیا ہے۔ اور اس میں میں نے عذر چاہا خطوں کے جواب اور اشعار کی اصلاح سے۔اس پر کسی نے عمل نہ کیا۔اب تک ہر طرف سے خطوں کے جواب کا تقاضا اور اشعار واسطے اصلاحوں کے چلے آتے ہیں اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔بوڑھا، اپاہج، پورا بہرا، آدھا اندھا، دن رات پڑا رہتا ہوں۔حاجتی پلنگ کے تلے دھری رہتی ہے۔ تشت، چوکی پلنگ کے پاس لگا رہتا ہے،سو تشت چوکی پر تیسرے چوتھے، دن اتفاق جانے کا ہوتا ہے اور حاجتی کی حاجت بسبب سرعت بول کے گھنٹہ بھر میں پانچ چھ بار ہوتی ہے۔

تصویر کھینچے والا جو ہندوستانی ایک دوست تھا۔شہر سے چلا گیا۔ایک انگریز ہے ۔وہ کھینچتا ہے، مجھ میں اتنا دم کہاں کہ کوٹھے پر سے اتروں، پالکی میں بیٹھوں اور اس کے گھر جاؤں اور گھنٹہ دو گھنٹے کرسی پر بیٹھوں اور تصویر کھنچوا کر جیتا جاگتا اپنے گھر پھر

آؤں ۔اب تم ازراہ مہربانی میر ابراہیم علی خان بہادر اور حکیم سید احمد حسن خاں کو اور جب بمبئی سے واپس آ جائیں ۔نواب غلام بابا خاں کو یہ خط پڑھوا دینا۔تمہارے ہاں لڑکے کا پیدا ہونا اور مر جانا معلوم ہو کر بڑا غم ہوا۔ بھائی اس داغ کی حقیقت مجھ سے پوچھو کہ اکہتر برس کی عمر تک سات بچے ہوئے ۔لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی اور کسی کی عمر پندرہ مہینے سے زیادہ نہ ہوئی ۔تم ابھی جوان ہو،حق تعالیٰ تمہیں صبر اور نعم البدل دے،والسلام،

۲۵۔اگست ۱۸۶۷ء

غالب

(۳۵)

میر حبیب اللہ ذکاء

حبیب اللہ نام، ذکا تخلص، نیلور مدارس کے باشندے تھے۔ وہیں ۱۲۴۴ھ (۲۹۔ ۱۸۲۸ء) میں پیدا ہوئے۔ باپ کا نام حافظ محمد میراں اور دادا کا نام حافظ محمد علی تھا۔

آپ کے اجداد بیجاپور سے نقل مکان کر کے نیلور میں مقیم ہوئے تھے۔ علم و فضل اس خاندان کا امتیازی نشان تھا۔ منشی حبیب اللہ پانچ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی منشی رحمت اللہ رسا سے حاصل کی۔ جو راجہ مکٹ گری کے دیوان تھے پھر مدارس جا کر عربی اور فارسی کی متداولہ کتابیں پڑھیں۔ تعلیم نے طبع جوہروں کو چمکا دیا۔ شعر و ادب کی محفلوں میں بڑا نام پیدا کر لیا۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے شاعر اور ادیب تھے۔ انشاء فارسی میں خاص مہارت حاصل کر لی اور مدارس کے حلقوں میں بے مثل سمجھے جاتے تھے۔ اس زمانے میں مدارس کے دو سید فارسی شاعری کے استاد مانے جاتے تھے۔ ایک سید محمد مہدی ثاقب، دوسرے سید محمد مرتضی بینش۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ ان کے جد اعلیٰ مشہد سے ہندوستان آئے۔

اور گلبرگہ میں مقیم ہوئے۔ ان کے ایک پوتے خواجہ محمد گیسو درازؒ کے خالو

تھے ۔ پھر اس خاندان کا ایک فرد ارکاٹ میں متوطن ہوا۔ اس کی اولاد میں سے ایک صاحب سید ابراہیم نام مدراس چلے گئے ۔ ثاقب اور بینش انھیں سید ابراہیم کے پوتے تھے ۔ ذکاء ابتداء میں انھیں سے اصلاح لیتے رہے۔

کچھ مدت اس حالت میں گزری تو ذکاء کو غالب سے غائبانہ عقیدت پیدا ہوگئی، واقف حال اصحاب کا بیان ہے کہ عقیدت دیوانگی کی حد تک جا پہنچی تھی ۔ اور ذکا ہر وقت اس کوشش میں رہنے لگے کہ غالب سے ملیں ۔ ثاقب وقتاً فوقتاً حیدرآباد آتے تھے اور یہاں ان کے اعزاز میں مشاعرے ہوتے تھے ۔ ذکا کے دل میں بھی خیال پیدا ہوا کہ پہلے حیدرآباد پہنچنا چاہیے اور وہاں پہنچ کر غالب سے ملنے کی سبیل نکالنی چاہیے ۔ چنانچہ وہ اپنے اقربا کو خبر کیے بغیر گھر سے نکلے ۔ اور پیدل سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے حیدر آباد پہنچ گئے ۔

حیدرآباد میں ایک صاحب مولوی عبدالوہاب تھے ۔ جو نواب مختار الملک سر سالار جنگ اول مرحوم و مغفور کی ڈیوڑھی میں میز خانہ کے مہتمم تھے ۔ ان سے ذکاء کی جان پہنچان تھی ۔ ذکاء انھیں کے ہاں مقیم ہوگئے اور انھیں کی سفارش پر نواب مختار الملک نے ذکا کو صدر محاسبی کے دفتر میں میر منشی کی خدمت عطا کر دی تھی ۔ پھر نواب صاحب نے اپنی جاگیر میں ایک اچھی ملازمت دے دی ۔ بالآخر علاقہ دیوانی میں دوم تعلقداری جو ہمارے ہاں ای، اے، سی، کے برابر ہے ۔ پر مامور ہوگئے ۔

حیدرآباد پہنچنے کے بعد غالب کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہوا اور میرزا کے خطوں سے ظاہر ہے کہ وہ ذکاء کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ شعرا کے ایک قلمی تذکرہ سے معلوم ہوا کہ غالب کی شاگردی کے بعد ذکاء نے اپنا پہلا کلام ضائع کر دیا تھا۔ پھر جب تک جیتے رہے غالب کے انداز میں شعر کہتے رہے:

''مضامین شعری را کما ینبغی مے فہمید و بہ جمع نکات و لطائف بہ بادی النظر پے مے برد۔ با جملہ نکتہ سنج و غرگفتارے بود کے مثلش کمتر مرئی..... الخ

ہجو و مزاح میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ان کی ہجویں اور مزاحیہ نظمیں موجود ہیں۔

۱۲۷۲ھ (۵۶۔۱۸۵۵ء) میں حیدرآباد آئے۔ تو اٹھائیس برس کی عمر تھی۔ انیس برس ملازم رہنے کے بعد ۱۲۹۱ھ (۱۲۷۴ء) میں فالج سے وفات پائی۔ صرف سنتالیس برس کی عمر تھی۔ چنچل گوڑہ میں دفن ہوئے۔ آپ نے دو شادیاں کیں، پہلی بیوی کے بطن سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی، دوسری کے بطن سے صرف ایک بیٹا ہوا۔ بڑے بیٹے کا نام محمد میراں تھا۔ غالب کے خطوں میں اس کا ذکر ہے۔ یہ بھی فارسی کے شاعر تھے اور رسا تخلص کرتے تھے۔ صدر محاسبی سرکار عالی میں انھیں منتظم کا عہدہ حاصل تھا۔ انکی تاریخ وفات معلوم نہیں۔

۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) میں محمد میراں نے ذکا کا متفرق فارسی اور اردو کلام نظم و نثر، خاش خماش، کے نام سے چھاپ دیا تھا۔ اب یہ بالکل کمیاب ہے۔ میرے پاس اسکا ایک ناقص نسخہ ہے۔ جس کا کاغذ اتنا بوسیدہ ہو چکا ہے کہ ورق گردانی کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔

دوسرے صاحبزادے محمد اسد اللہ صاحب بھی صدر محاسبی میں منتظم تھے۔

ربیع الاول ۱۳۴۳ھ (اکتوبر ۱۹۲۴ء) میں بعارضہ طاعون فوت ہوئے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱)

صبح سہ شنبہ ۱۳۔صفر سال غضر ۱۲۸۰ھ) صاحب، میں تم کو اخوان الصفا میں گنتا ہوں اپنا نور نظر ولخت جگر جانتا ہوں۔ دیکھو تم پر مجھ کو کیا اعتماد ہے کہ خود ضبط راز نہیں کرسکتا۔ اور تم سے رازداری اور امانت میں استواری چاہتا ہوں ۱۲

قصیدہ وغزل میں صلہ وتحسین بہ اقتضاء بخت وقسمت ہے۔ نہ بہ اندازہ ارزش کلام ۱۲۔ ممدوح سخن فہم ہوتا تو مجھ کو متوسط کے تساہل کا وہم ہوتا۔ اغنیا کو نہ مذاق شعر سے نسبت، نہ مطالعہ اشعار کی فرصت، متوسط نے بقدر (ہمت) سلسلہ جنبانی کی ۔لیکن مرجع نے نہ قدردانی کی ۔۱۲

مولوی غلام غوث خاں ہیچر منشی اسٹنٹ گورنر مخلص گورنر مخلص خاص الاخاص ہیں۔ ہرگز ان کو مدعی سے تلمذ نہیں۔ البتہ اس کو کوشگوار جانتے ہیں اور یہ کبھی نہ ہوگا کہ وہ میرا مقابلہ کریں اور قاطع برہان، کا جواب لکھیں:

باطل است آنچہ مدگوید

مدعی اپنے زعم میں مجھ کو اپنا فن جان کر حسد کرتا ہے۔ میں امیر علی شیرا جیسا محتسب اور مولوی جامی ۲ جیسا مفتی کہاں سے لاؤں جو نیا وَکرے اور کاذب کو سزا دے؟ شکر ہے خدا کا تم سخنور اور سخندان ہو اور یقین ہے کہ قلمرو ہند میں اور بھی ایسے آدمی ہوں گے کہ میرے اور مدعی کے رتبے کو ممیّز ہوسکیں گے:

عید است بادہ شد فلک و ساغر آفتاب

خالصا اللہ، فلک ظرف اور آفتاب مظروف ہے۔ یہ شخص ظرف کو مظروف او

رمظروف کوظرف ٹھہراتا ہے اس کوکون مسلم رکھے گا؟ اس سے بڑھ کر ایک اور خدشہ ہے یعنی مشبہ اور مشبہ میں وجہ شبہ شرط ہے۔ آفتاب و ساغر میں تدویر وجہ شبہ ہے۔ شراب اور فلک میں وجہ شبہ کہاں؟ ۱۲

میں اپنے کو ایسا نہیں جانتا کہ تمہارے کلام کو اصلاح دوں۔ قدردانی کیوں کر کہوں، قدر افزائی کرتے رہو۔

---

۱ نظام الدین علی شیر نوائی سلطان حسین میرزا فرمانروائے چغتائیہ ہرات کا ہم مکتب تھا۔ جب سلطان حسین میرزا تخت پر بیٹھا تو نوائی مصاحبی میں لے لیا۔ اس کی سرپرستی میں ہرات علم و ہنر کا مرکز خاص ہو گیا۔ خود ترکی اور فارسی کا خوش ذوق شاعر تھا۔ دونوں زبانوں میں دیوان موجود ہیں۔ مجالس النفائس کے نام سے شعرا کا تذکرہ بھی لکھا تھا جو چھپ گیا ہے، مولانا جامی سے بڑی عقیدت تھی۔ ۲ مولانا عبدالرحمٰن جامی جن کا درجہ بلند علم و شعر تصوف میں کسی شرح کا محتاج نہیں۔

دوستانہ نہ استادانہ جو خیال میں آئیگا۔ اگر آپ نے اس روش کا یعنی استصلاح کا التزام کیا ہے تو جب تک کاغذ اشعار میرے پاس سے واپس نہ جایا کرے۔ مکاتب فیہ شہرت نہ پایا کرے۔ مجموعہ کلام سابق بھیج دو گے۔ میں بکمال طیب خاطر اس کو دیکھ کر بھیج دوں گا۔ استجازت کیا ضرور؟ ۱۲

۱۳ صفر ۱۲۸۰ھ مطابق ۳۰۔ جولائی ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب، غالب

(۲)

حضرت مولوی صاحب،

میں برس دن س بیمار اور تین مہینے سے صاحب فراموش ہو، اٹھنے بیٹھنے کی طاقت مفقود ہے۔ پھوڑوں سے بدن لالہ زار، پوست سے ہڈیاں نمودار، پھوڑے ایسے جیسے انگارے سلگتے ہیں۔ اعضاء پر دس جگہ پھائے۔ لگتے ہیں۔ ضعف و ناتوانی علاوہ۔ سوز غم ہائے نہانی علاوہ صنعت سہل ممتنع میں، میں نے نواب مختار الملک ۱ کو قصیدہ ۲ بھیجا۔ کچھ قدر دانی نہ فرمائی۔

ردفرقہ وہابیہ ایک مثنوی ۳ جو سابق میں لکھی تھی۔ وہ محی الدولہ کو بھیجی۔ رسید بھی نہ آئی۔ اب سنتا ہوں کہ مولوی غلام امام شہید۔ شاگرد قتیل وہاں کوس، اناولاغیری بجا رہے ہیں اور سخن ناشناسوں کو اپنا زار طبع دکھا رہے ہیں۔ ایک کم ستر برس کی عمر میری ہوئی۔ سوائے شہرت خشک کے فن کا کچھ پھل نہ پایا۔ احسنت ومرحبا، کا شور سا معہ فرسا ہوا۔ خیز، ستایش کا حق ستایش سے ادا ہوا۔ مختار الملک نے یہ بھی نہ کیا۔ نہ مدح کی داد دی۔ نہ مدح کا صلہ دیا۔ حیران ہوں کہ نواب صاحب مجھے کیا سمجھے، محی الدولہ سے اور کچھ نہیں کہتا مگر یہ کہ خدا سمجھے ۱۲۔

کل سے پلنگ پر لیٹا لیٹا غزل کو دیکھ رہا ہوں اور لیٹے لیٹے یہ سطریں لکھتا ہوں:

دیدم گل ز گل و لالہ ۴ الخ

باشد شفقے کاں بلب لعل تو ماند

گر چرخ بکام دل ما رنگ بر آورد

''باشد''، مخل معنی ہے۔ اگر اس کی جگہ آرد، ہوتو بہتر، مگر آرد صیغہ مستقبل کا اور آورد ماضی کا اور فاعل دونوں فعلوں کا چرخ، ہر چند اساتذہ نے یوں بھی لکھا ہے، مگر فارسی گویان ہند نہ مانیں گے۔ پس اس شعر کو یوں لکھنا چاہیے،

حاشا کہ شفق لب لعل تو باشد
کے چرخ بکام دل مار نگ بر آورد

---

۱ نواب مختار الملک میر تراب علی خاں سر سالار جنگ اول، جو دولت آصفیہ حیدر آباد کے مشہور وزیر اعظم تھے۔ ۱۸۸۳ء میں فوت ہوئے۔ ۲ ملاحظہ ہو فارسی کلیات نظم غالب صفحہ ۳۴۶۔ اسی قصیدے کا ایک شعر یہ ہے۔

کس نیست متاع را خریدار
با آنکہ بہا گراں نگویم

---

۳ کلیات نظم غالب کی چھٹی مثنوی و کلیات صفحہ ۴۱۰۲ پورا شعر یہ ہے (باقی صفحہ ۳۸۶ پر)

مصرع

خون د دل غم دیدہ [1] الخ

یہ شعر ہموار ہے۔ نہ صاد، کے قابل نہ اصلاح کا محتاج، چوتھا اور پانچواں یہ دو شعر واہ کیا کہنا ہے[2]

اے اہل درع[3] یہ بھی ہموار ہے۔ نہ صاد چاہتا ہے نہ اصلاح:

گوئی کہ زباں در دہنم برگ حنا بود
تا بوسہ زوم آں کف پارنگ بر آورد

موزی صاحب، یہ بات تو کچھ نہیں زبان چاٹنے کا آلہ ہے۔ نہ چومنے کا۔ زبان برگ حنا بن گئی۔ تو بوسے سے کف پا کیوں حنائی ہو جائے؟:

گوئی دہنم لب زرگ برگ حنا داشت
تا بوسہ ز دم آں کف پارنگ بر آورد [4]

مقطع اور اس کے اوپر کا شعر دونوں اچھے۔ اب آپ اس خط کی رسید لکھیے اور اس میں غلام امام شہید کا حال مفصل لکھیے کہ ان کی وہاں کیا صورت ہے۔ ایک شخص مجھ سے یوں کہتا تھا کہ مختار الملک نے منہ نہ لگایا۔ مگر محی الدولہ نے چار سو روپے مہینا سرکار جناب عالی سے مقرر کرا دیا ہے۔

روز چہار شنبہ ۱۰۔ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ ۵ مطابق ۲۶۔ اگست ۱۸۶۳ء

(۳)

مولانا،

ایک تفقد نامہ پہلے بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں یہاں سے خط جواب طلب لکھا گیا تھا۔ پھر ایک اور مہربانی نامہ آیا۔ اس میں میں نے اپنے خط کا جواب نہ پایا۔ ناچار اس خط کے جواب کی نگارش اپنے خط جواب طلب کے پاسخ آنے پر موقوف اور ہمت آزادانہ، نہ فطرت کیادانہ اس تحریر کے پانے میں مصروف رکھی گئی ۔بارے وہ کل نظر افروز ہوا اور طبیعت اس کے مشاہدے سے طرب اندوز ہوئی۔ اب درنگ ورزی کی تقصیر معاف کیجئے۔ اور اپنی دونوں نگارشوں کا جواب لیجیے۔

ہر یک ز گل لالہ چہارنگ بر آورد
رخسار توزیں ہر دو جدا رنگ بر آورد

[۱] خون شد دل غم دیدہ و ازدیدہ فرد ریخت
دیدی کہ جفایت چہ بلارنگ بر آورد

[۲] چوتھا اور پانچواں شعر یہ ہیں:

تا بند کشا ئیم ہر انگشت حنائی است
از عکس تنت بسکہ حنا رنگ برآورد
خوں کر د جگر حسرت اظہار تمنا
لب بستن من ہم چو حنا رنگ برآورد

[۳] اے اہل ورع چوں نتواں داشت عزیزش

مے سرخ تر از خون شما رنگ بر آورد

صاحب، تاریخ انطباع کلیات خوب لکھی ہے[1] مگر ہزار حیف کہ بعد از انطباع پہنچی۔ کتاب کی رونق افزا نہ ہوئی۔ بندہ پرورتم چراغ دودمان مہر ووفا منجلمد اخوان الصفا ہون۔ مجھ سے تمہیں محبت روحانی ہے گویا یہ جملہ تمہاری زبانی ہے۔ دوست کی بھلائی۔ کے طالب ہو۔ اس شیوے میں شریک غالب ہو۔ ایک خواہش میری قبول ہو، تا کہ مجھ کو راحت حصول ہو۔ مبادی کا ذکر نہیں کرتا ہوں۔ واقعہ حال دل نشین کرتا ہوں۔

جناب مولوی مو والدین خاں صاحب کے بزرگواروں اور فقیر کے بزرگوں میں باہم خلت وصفوت مرعی تھی کہ وہ مقتضی اسکی ہوئی کہ ہم میں اور ان میں برادرانہ ارتباط باہم ہے اور ہمیشہ یونہی بلکہ روز افزوں رہے گا۔ خط میں خط ملفوف کرنا جانب حکام سے ممنوع ہے۔ اگر یوں نہ ہوتا تو میں ان کے نام کا خط تمہارے خط میں ملفوف کر کے بھیجتا۔ ناچار اب آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ مولوی صاحب سے ملیں اور ان کو یہ خط اپنے نام کا دکھائیں اور میری طرف سے بعد سلام میرے کلیات کے پارسل کا ان کے پاس اور ان کے ذریعہ عنایت سے اس مجلد کا حضرت فلک رفعت نواب مختار الملک بہادر کی نظر سے گزرنا اور جو کچھ اس کے گزرنے کے بعد واقع ہو۔ دریافت کر کے مجھ کو مطلع فرمائیں۔

جمعہ ۱۰۔ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۸۶۳ء غالب

بقیہ صہ ۳۸۵ ۔۔۔ [1] ذکا نے اپنا کلام مرتب کرتے وقت یہ شعر، مقطع نیز دو اور شعر حذف کر دیے تھے۔ [2] مطبوعہ نسخوں میں ۱۲۲۹ھ چھپا ہوا ہے، جو غلط ہے۔ صحیح ۱۲۸۰ھ ہے۔

(۴)

بندہ پرور،

آج تمہارا عنایت نامہ آیا اور آج ہی میں نے اس کا جواب ڈاک میں اور اس خط کے ساتھ پارسل کلیات کا بھی ارسال کیا۔ دسویں بارھویں دن خط اور مہینے بیس دن میں پارسل پہنچے گا۔ خط کا جواب ضروری الارسال نہیں، لیکن پارسل کی رسید ضرور لکھیے گا۔ آپ کے خط کی عبارت تو میں سمجھا۔ لیکن مدعا مجھ پر نہ کھلا۔ میں نے پارسل کب آپ کے پاس بھیجا اور کب آپ کو لکھا کہ آپ یہ پارسل موید الدین خاں کو دے دیجئے گا۔ پارسل کا لفافہ مولوی صاحب کے نام کا اور آپ کو اسکے ارسال کی اطلاع اور آپ سے یہ خواہش کہ موید الدین خاں صاحب سے ملیے اور میرا خط جو آپ کے نام کا ہے۔ انھیں دکھایئے اور ان سے پارسل کا حال دریافت فرمایئے۔ آپ ولایتی بھی نہیں جو میں یہ تصور کروں کہ اردو عبارت سے استنباط مطلب اچھی طرح نہ کر سکے۔ بہ ہر حال اب مدعا سمجھ لیجئے اور مولوی صاحب سے ملنے کا ارادہ فرمایئے اور پارسل کا حال معلوم کر کے لکھیے۔

۵۔ جمادی الاول ۱۲۸۰ھ و نوزدہم اکتوبر ۱۸۶۳ء

دادکا طالب، غالب

روزورود نامہ نامہ

غالب کہ نفی مطلق اگر معنی کم است
گویم کہ ہمسرش بہ سخن کمتر آمدہ

تاریخ انطباع نوسید ذکا ہے

جان سخن بہ قالب طبع اندر آمدہ

صد ہاے باز رشک بر آمد ز منکراں

یک حرف ہاچہ شد ہمہ زائد گر آمدہ

---

1 اس سے مراد غالباً یہ قطعہ ہے

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۵)

صاحب،

پہلے مطلع میں لطف نہیں، ہاں مضمون لطیف ہے۔ وہ فرد میں خوب آ گیا ہے۔ مطلع ثانی بسبب تعقیدات کے مہمل رہ گیا۔ ورنہ کا قافیہ اور شعر میں اور طرح سے بندھ گیا ہے۔ تیسرا شعر الفاظ بدلنے سے بہت اچھا ہو گیا۔ جو شعر بے تصرف بدستور رہا۔ اس کا ذکر کچھ ضرور نہیں۔

ساقی ابھی چھنی [1]

چھنی لفظ غریب ہے۔ نہ اہل دہلی کے زبان زد، نہ گوش زد، غربال کو چھلنی کہتے ہیں جس کی فارسی پردیزن ہے۔ اور جس کپڑے میں سائلات [2] کو چھانیں، فارسی اس کی، لاے پالا، اور اردو صافی ہے بہ یاے معروف، برابر نہ ہوا تھا۔ الخ تقرر وقت مرگ کا انکار حشو بلکہ مہمل ہے۔ مگر ہاں تقرر کا وقت ازل کو قرار دیا جائے۔ مقطع میری پسند نہیں ہے۔ میرے سر کی قسم اس کو نہ رکھو۔ اور مقطع لکھ لو۔ ۱۲۔

شنبہ ۱۴۔ نومبر ۱۸۶۳ء غالب

(۶)

بندہ پرور،

تمہارے دونوں خط پہنچے۔ غالب گستہ دم، کوتہ قلم نہ لکھے تو یہ اور بات ہے، دونوں خط آپ کے اور ایک پارسل محمد نجیب خاں کا بہ تقدیم و تاخیر دو سہ روز موصول ہوئے۔ آپ کا پارسل بعد مشاہدہ آپ کو بھیجا جائے گا۔ خاں صاحب کے پارسل میں ایک کتاب ارمغان اور اوراق اصلاح بھیجے جائیں گے۔

ہاہاہا محرق قاطع، کا تمہارے پاس پہنچنا:

کامے کہ خواستم ز خدا شد میسرم

میں اس خرافات جواب کیا لکھتا۔ مگر ہاں سخن فہم دوستوں کا غصہ آ گیا۔ ایک صاحب نے فارسی عبارت میں اس کے عیوب ظاہر کیے۔[۳] دو طالب علموں نے اردو زبان میں دو رسالے[۴] جدا جدا لکھے۔ دانا ہو اور منصف ہو، محرق کو دیکھ کر جانو گے کہ مولف اس کا احمق ہے اور جب وہ احمق دافع ہذیان و سوالات عبدلکریم اور لطائف غیبی، کو پڑھ کر متنبہ نہ ہوا اور محرق کو ڈھونڈا لا تو معلوم ہوا کہ بے حیا بھی ہے۔ دافع ہذیان سوالات، لطائف غیبی تینوں نسخے ایک پارسل میں اس خط کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں۔ یقین ہے کہ بہ تقدیم و تاخیر یک د روز، نظر انور سے گزریں۔ فی الحال اس

---

[۱] اذکا کا اردو کلام میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس لیے نہیں کہہ سکتا کہ اصل شعر کیا تھا[۲] بہنے والی چیزیں[۳] دافع ہذیان مولفہ مولوی نجف علی[۴] سوالات عبدالکریم اور لطائف

نیبی ۔میرے نزدیک یہ دونوں رسالے غالب نے خود لکھے تھے۔ایک عبدلکریم کے نام سے چھپا، دوسری سیف الحق میاں دادخاں سیاح کے نام سے۔

پارسل کی رسید بغور دور دیکھیے ۔ جب آپ کا بھیجا ہوا نسخہ مستر د پہنچے ۔تو اسکی رسید رقم کی جائیگی ۔ چار نسخے پارسل میں ہیں، دو آپ لیجیے اور دہ محمد نجیب خاں کو دیجیے۔

دوشنبہ ۲۸۔نومبر ۱۸۶۴ء غالب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۷)

بندہ پرور،

کل آپ کا تفقد نامہ پہنچا۔ آج میں پاسخ طراز ہوا۔ جس کاغذ پر یہ نقوش کھینچ رہا ہوں۔ آپ کے خط کا دوسرا سرورق ہے۔ پہچان لیجئے اور معلوم کیجئے کہ آپ کا مجموعہ کلام معجز نظام اور اس کے بعد دو خط پہنچے۔ میں صحیفہ شریفہ کی رسید لکھ چکا ہوں۔ بلکہ اسی خط میں محمد نجیب خاں کو سلام اور ارمغان کا شکر اور اوراق اشعار اصلاح طلب کی رسید میں نے لکھ دی ہے۔ پارسل کے سرنامہ سے میرا نام مٹا نہیں، پارسل تلف ہوا نہیں۔ آٹھ دس روز ہوئے ہوں گے کہ وہ مجلد اسی پارسل میں کہ اس کو روگرداں کرلیا ہے۔ بعد ادائے محصول آپ کا نام لکھ کر روانہ کر دیا ہے۔ یقین ہے کہ بعد آپ کے خط کی روانگی کے آپ کے پاس پہنچ گیا ہوگا۔

ہاں صاحب، خط دیروزہ کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی صاحب کے نام، مع اس حکم کے کہ میں اس کے مولوی صاحب کے پاس پہنچاؤں میں نے پایا۔ حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے میری ملاقات نہیں۔ صرف اتحاد معنوی کے اقتضاء سے انھوں نے۔ دافع ہذیان لکھ کر فن سخن میں مجھ کو مدد دی ہے۔ منشی گوبند سنگھ دہلوی ایک ان کے شاگرد اور میرے آشنا ہیں۔ ان کا وہ خط بجنسہ بھیج دیا۔ یقین ہے کہ وہ مولوی نجف علی خاں کو بھیج دیں گے۔ انھیں کے اظہار سے دریافت ہوا کہ مولوی صاحب مرشد آباد بنگالہ میں ہیں۔ نواب ناظم نے ان کو نوکر رکھ لیا ہے۔ ہر شخص نے بقدر حال ایک ایک قدردان پایا۔ غالب سوختہ اختر کو ہنر کی

داد بھی نہ ملی۔

کسم بخود نہ پذیرفت و دہر بازم برد
چو نامہ کہ بود نا نوشتہ عنوانش

یہ شعر میرا ہے۔ ولیعہد خسرو[1] دہلی میرزا فتح الملک بہادر[2] مغفور کے قصیدے کا اورد یکھو ایک رباعی میری:

دستم بہ کلید مخزنے می بایست
ور بود تہی بہ دامنے می بایست
یا ہیچ گہم بہ کس نیفتا دے کار
یا خود بہ زمانہ چوں منے می بایست

انا للہ و انا الیہ راجعون

---

[1] بہادر شاہ ثانی [2] فخر الدین عرف مرزا فخرو، غالب کے شاگرد تھے۔ ۱۸۵۶ء میں فوت ہوئے۔ منقولہ شعر قصیدہ نمبر ۴۷ میں ہے

(۸)

اے عتابت بہ عنایت ہم شکل

آپ کا خط حادی حل شبہات جس دن پہنچا۔ اس کے دوسرے دن جواب لکھ کر بھیج دیا۔ دو مصرعوں میں دو لفظ بدلے گئے۔ دو شعروں کے باب میں کچھ تقریر درج ہوئی۔ دو تین شعروں میں تمہاری رائے مسلم رہی۔ باوجود فقدان حافظہ و استیلائے نسیان ایک مصرع کا بدلا ہوا لفظ یاد ہے۔

چہ غرہ غرہ، پیشانی سمندِ عمر

بدل مصرع: چہ غرہ غرہ پیشانی تگادر عمر

دوسرا تبدل اسی قدر یاد رہ گیا ہے۔ کہ شبگرو گراں رکاب، کچھ اسی طرح کے دو لفظ تھے۔ بے واؤ عاطفہ کچھ تقدم و تاخر ہو گیا ہے ۱۲

صبح شنبہ ۳۔ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ مطابق یکم مئی سال حال ۱۲

(۱۸۶۶ء) غالب

(۹)

میرے مشفق میرے شفیق مجھ سے ہیچ پوچ کے ماننے والے، مجھ سے برے کو اچھا جاننے والے میرے محبّ میرے محبوب تم کو میری خبر بھی ہے؟ آگے ناتواں تھا۔ اب نیم جان ہوں۔ آگے بہرا تھا۔ اب اندھا ہوا چاہتا ہوں۔ رام پور کے سفر کا رہ آورد ہے۔ ارعشہ وضعف بصر، جہاں چار سطریں لکھیں۔ انگلیاں ٹیڑھی ہوگئیں۔ حرف سوجھنے سے رہ گئے۔ اکہتر برس جیا۔ اب زندگی برسوں کی نہیں۔ مہینوں اور دنوں کی ہے۔

پہلا خط تمہارا پہنچا۔ اس سے تمہارا مریض ہونا معلوم ہوا۔ متواتر دوسرا خط مع غزل آیا۔ غزل کو دیکھا۔ سب شعر اچھے اور لطیف، حافظے کا یہ حال ہے کہ غزل کی زمین یاد نہیں۔ اتنا یاد ہے کہ ایک لفظ میں کوئی شعر بدلا گیا تھا۔ غرضیکہ وہ غزل بعد مشاہدہ تم کو بھیجی گئی اور لکھا گیا کہ نوید حصول صحت جلد بھیجو۔

کل ایک خط رجسٹری دار آیا۔ گویا ستارہ دنبالہ دار آیا۔ حیران کہ ماجرا کیا ہے۔ بارے کھولا اور دیکھا، خط نوید رفع مرض وحصول صحت سے خالی اور شکوہ ہائے بے جا سے لبریز۔

صاحب، میرے نام کا خط جہاں سے روانہ ہوا۔ وہیں رہ جائے تو رہ جائے۔ ورنہ دلی کے ڈاک خانہ میں پہنچ کر کیا مجال ہے، جو مجھ تک نہ پہنچے۔ وہاں کے ڈاک کے کارپردازوں کو اختیار ہے۔ مکتوب الیہ کو دیں یا نہ دیں۔ آپ مرزا صابر[۲] کا تذکرہ مانگتے ہیں۔ اس کا حال یہ ہے کہ غدر سے پہلے چھپا اور غدر میں تاراج

ہو گیا۔ اب ایک مجلد اسکا کہیں نظر نہیں آیا۔

---

۱ تحفہ جو سفر سے لایا جائے۔ ۲ میرزا قادر بخش صابر معز الدین جہاندار پادشاہ دلی کی اولاد میں سے تھے۔ گلستان سخن کے نام سے شعرا کا تذکرہ لکھا تھا جو بہت کمیاب ہے۔ مولانا امام بخش صہبائی کے شاگرد تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تذکرہ خود صہبائی نے لکھا تھا اور صابر کے نام سے شائع ہوا۔

بس اب مجھے اتنا لکھنا باقی ہے کہ اس خط کی رسید اور اپنی خیر و عافیت جلد لکھو۔

صبح جمعہ ۲۵۔ ذی حجہ ۱۲۸۲ھ ۱۲۔ مئی ۱۸۶۶ء جواب کا

طالب، غالب

CyberLibrary.Net All rights reserved. IMMMM ©2002-2006

(۱۰)

دوست روحانی، برادر ایمانی، مولوی حبیب اللہ خاں میر منشی کو فقیر غالب کا سلام تم نے یوسف علی خاں کو کہاں سے ڈھونڈ نکالا اور ان کا تخلص اور ان کا خطاب کس سے معلوم کیا؟ بغیر نشان محلّہ کے ان کو خط کیوں بھیجا اور وہ خط ان کو کیوں کر پہنچا؟:

حیرت اندر حیرت است اے یار من

پہلے یہ تو کہو کہ درفش کاویانی، اور وہ قطعہ جس کی پہلی بیت یہ ہے تم کو پہنچا ہے یا نہیں؟ اگر پہنچا تو مجھ کو رسید کیوں نہ لکھی؟

مولوی احمد علی تخلص نسخہ
در خصوص گفتگو ے پارس انشا کردہ است

اگر یہ پارسل پہنچ گیا ہے۔ تو رسید لکھو اور دیباچہ ثانی جدید کی داد دو اگر نہیں پہنچا تو مجھ کو اطلاع ہو کہ ایک نسخہ اور بھیجوں۔

زیستن دشوار۔ اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے تہتر واں برس شروع ہوا۔ غذا صبح کو سات بادام کا شیرہ، قند کے شربت کے ساتھ۔ دوپہر کو سیر بھر گوشت کا گاڑھا پانی۔ قریب شام کبھی کبھی تین تلے ہوئے کباب۔ چھ گھڑی رات گئے پانچ روپیہ بھر شراب خانہ ساز اور اسی قدر عرق شیر۔

اعصاب کے ضعف کا یہ حال کہ اٹھ نہیں سکتا اور اگر دونوں ہاتھ ٹیک کر، چار پایہ بن کر اٹھتا ہوں۔ تو پنڈلیاں لرزتی ہیں۔ معہذا دن بھر میں دس بارہ بار اور اسی

قدر رات بھر میں پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے۔ اٹھا اور پیشاب کیا اور پڑ رہا۔ اسباب حیات میں سے یہ بات ہے کہ شب کی بد خواب نہیں ہوتا۔ بعد اراقت بول بے تکلف نیند آ جاتی ہے۔ ایک سو باسٹھ روپے۔ آٹھ آنے کی آمد، تین سو کا خرچ، ہر مہینے میں ایک سو چالیس کا گھاٹا، کہو زندگی دشوار ہے یا نہیں۔ مردن ناگوار بدیہی ہے۔ مرنا کیوں کر گوارا ہوگا۔

بھائی یہ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔ جواب خط کا طالب، غالب

سہ شنبہ از روے جنتری ۲۶۔ اور از روے رویت ۲۵۔ رجب ۱۲۸۳ھ اور ۴۔ دسمبر ۱۸۶۶ء

(۱۱)

جانان بلکہ جان، مولوی منشی حبیب اللہ خاں کو غالب خستہ دل کا سلام اور نور دیدہ سرور سینہ منشی محمد میراں کو

محمد میراں فرزند میر حبیب اللہ ذکا۔

دعا اور مجھ کو فرزند ارجمند کی نوید۔ جو نگارش صاحبزادے کی طرف سے تھی۔ رسم الخط بعینہ تمہاری تھی۔ اب تم یہ بتاؤ کہ رقعہ اس کی طرف سے تم نے لکھا ہے یا خود اس نے تحریر کیا ہے؟ لڑکا تمہارا تمہارے ساتھ حیدرآباد نہیں آیا۔ ظاہر اب تم نے وطن سے بلایا ہے۔ مفصل لکھو کہ نخل مراد کا ثمر یہی ہے۔ یا اس کے کوئی بھائی بہن اور بھی ہے۔ یہ اکیلا آیا ہے یا قبائل کو بھی اسکے ساتھ تم نے بلایا ہے۔ ہاں صاحب، محمد میراں یہ اسم مقتضی اس کا ہے کہ آپ قوم کے سید ہوں۔

منشاء افراط پرسش وفور محبت ہے نہ فضولی۔

یوسف علی خاں شریف و عالی خاندان ہیں۔ بادشاہ دہلی کی سرکار سے تیس روپے مہینا پاتے تھے۔ جہاں سلطنت گئی وہاں تنخواہ بھی گئی۔ شاعر ہیں ریختہ کہتے ہیں ہوس پیشہ ہیں۔ مضطر ہیں۔ ہر مدعا کے حصول کو آسان سمجھتے ہیں۔ علم اسی قدر ہے کہ لکھ پڑھ لیتے ہیں۔ انکا باپ میرا دوست تھا۔ میں ان کو بجائے فرزند سمجھتا ہوں۔ بقدر اپنی دستگاہ کے کچھ مہینا مقرر کر دیا ہے۔ مگر یہ سبب کثرت عیال وہ ان کو مکتفی نہیں۔ تم انکی درخواست کے جواب سے قطع نظر نہ کروگے تو کیا کروگے؟

صاحب، میں بعین عنایت الٰہی کثیر الاحباب ہوں۔ ایک دوست نے کلکتہ

سے مجھے اطلاع دی کہ مولوی احمد علی مدرس مدرسہ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ نام اس کا موید برہان ہے۔ اس رسالے میں دفع کیے ہیں تیرے وہ اعتراض جو تو نے دکنی[1] پر کیے ہیں اور تحریر پر کچھ اعتراضات وارد کیے ہیں اور اہل مدرسہ اور شعرائے کلکتہ نے تقریظیں اور تاریخیں بڑی دھوم کی لکھی ہیں۔ بس بھائی۔ میں نے اتنے علم پر ایک قطعہ لکھ کر چھپوایا اور کئی ورق اس دوست کو اور دو چار جلدیں۔ درفش کاویانی، علاوہ اوراق مذکور بھیج دیے۔ اس زمانے میں تین چار ورق، خوب یاد ہے۔ کہ کدرفش، کی جلد میں رکھ کر تم کو بھیجے ہیں۔ یا تو مجھے غلط یاد ہے یا تم درفش کو کھول کر دیکھا نہیں۔ وہ اوراق مع درفش زینت طاق نسیاں ہیں۔ وہ ورق اس لفافے میں اپنے نزدیک مکرر بھیجتا ہوں۔ تم بھی دیکھو اور صاحبزادہ بھی دیکھے اور یہ جانے کہ فی الحال نظم فارسی ہی ہے اور بس۔

ہاں صاحب، اودھ اخبار میں ایک قصیدہ مولوی غلام امام کا دیکھا۔ مکاں تنگ است، جہاں تنگ ست مدح مختار الملک میں، متضمن استدعائے مسکن وسیع۔ پھر مہینے بعد اسی، اودھ اخبار میں یہ خبر دیکھی کہ نواب نے مسکن تو نہ بدلا۔ مگر تیس روپے مہینا بڑھا دیا۔ اسی اخبار میں پھر دیکھا گیا کہ ایک صاحب نے مولوی غلام امام کے کلام پر اعتراض کیا ہے۔ اور ان کے شاگرد وضیع تخلص نے اس کا جواب لکھا ہے۔ آپ سے اس رویدار کی تفصیل اور جواب اعتراض و معترض کے نام کا طالب ہوں۔ بسبیل استعمال۔

دوشنبہ ۱۶۔ شعبان ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۱۔ جنوری ۱۸۶۷ء

---

[1] یعنی صاحب، برہان قاطع

بھائی، میں نہیں جانتا کہ تم کو مجھ سے اتنی ارادت اور مجھ کو تم سے اتنی محبت کیوں ہے۔ ظاہر، معائلہ عالم ارواح ہے۔ اسباب ظاہری کو اس میں دخل نہیں۔ تمہارے خط کا جواب مع اوراق مسودہ رونہ ہو چکا ہے۔ وقت پر پہنچے گا۔ ستر ا بہترا۔ اردو میں ترجمہ پیر خرف ہے۔ میری تہتر برس کی عمر ہے۔ پس میں حرف، ہوا گویا حافظہ کبھی تھا ہی نہیں۔ سامعہ باطل بہت دن سے تھا۔ رفتہ رفتہ وہ بھی حافظے کی طرح معدوم ہو گیا۔ اب مہینے بھر سے یہ حال ہے کہ جو دوست آتے ہیں۔ رسمی پرسش مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے۔ وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں۔ غذا مفقود ہے۔ صبح کو قند اور شیرہ بادام مقشر، دوپہر کو گوشت کا پانی۔ سر شام گوشت کے تلے ہوئے چار کباب سوتے وقت پانچ روپے بھر شراب اور اسی قدر گلاب، خرف ہوں پوچ ہوں۔ عاصی ہوں۔ فاسق ہوں، روسیاہ ہوں یہ شعر تقی کا میرے حسب حال ہے۔

مشہور ہیں عالم میں ، مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ در پے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

آج اس وقت کچھ افاقت تھی۔ ایک اور خط ضروری لکھنا تھا۔ بکس کھولا تو پہلے تمہارا خط نظر پڑا۔ مکرر پڑھنے سے معلوم ہوا کہ بعض مطالب کے جواب لکھے نہیں گئے۔

ناچار اب کتابت جداگانہ میں لکھتا ہوں تا کہ خلعت کا حال اور میرے حالات تم کو معلوم ہو جائیں کہ میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں۔ دادا امیر ماوراالنہر سے شاہ عالم کے وقت ہندوستان میں آیا۔ سلطنت ضعیف ہو گئی تھی۔ صرف پچاس گھوڑے نقارہ

نشان سے شاہ عالم[1] کا نوکر ہوا۔ ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اسکے جو طوائف الملوک کا ہنگامہ گرم تھا۔ وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خاں بہادر لکھنو جا کر نواب آصف الدولہ[2] کا نوکر رہا۔ بعد چند روز حیدرآباد جا کر نواب نظام علی[3] خاں کا نوکر ہوا۔ تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا۔ کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔ راؤ راجہ بختاور سنگھ[4] کا نوکر ہوا۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصراللہ بیگ خاں بہادر میرا حقیقی چچا مرہٹوں کی طرف سے اکبرآباد کا صوبہ دار تھا۔ اس نے مجھے پالا۔ ۱۸۰۳ء میں جب جرنیل لیک صاحب کا عمل ہوا۔ صوبہ داری کمشنری ہوگئی اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہوا۔ میرے چچا کو جرنیل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا حکم دیا۔ چار سو سوار کا برگڈیر ہوا۔ ایک ہزار سات سو روپیہ ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر حین حیات علاوہ سال بھر مرزبانی کے تھی کہ بمرگ ناگاہ مر گیا۔ رسالہ برطرف ہوگیا۔ ملک کے عوض نقدی مقرر ہوگئی۔ وہ اب تک پاتا ہوں۔ پانچ برس کا تھا۔

---

[1] شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی جو ۱۷۵۹ء میں تخت نشین ہوا۔ اور ۱۸۰۶ء میں مرا۔ غالب نے کئی جگہ لکھا ہے کہ اس کا دادا عالم شاہ کے عہد میں ہندوستان آیا اور لاہور میں معین الملک کے پاس ملازم ہوا معین الملک نے محرم ۱۱۶۷ء میں یعنی شاہ عالم سے چھ سال پہلے وفات پائی۔ لہذا میرزا کا دادا احمد شاہ کے عہد میں ہندوستان آیا نہ کہ شاہ عالم کے عہد میں۔ البتہ دہلی میں ملازمت شاہ عالم ہی کے عہد میں ہوئی۔

[2] آصف الدولہ ابن شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ

[3] نظام علی خاں ابن نظام الملک

جو باپ مر گیا۔ آٹھ برس کا تھا۔ جو چچا مر گیا، ۱۸۳۰ء میں کلکتے گیا۔ نواب گورنر سے ملنے کی درخواست کی۔ دفتر دیکھا گیا۔ میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی۔ سات پارچے اور جیغہ، سر پیچ، مالاے مروارید، یہ تین رقم خلعت ملا۔ زاں بعد جب دہلی میں دربار ہوا۔ مجھ کو بھی خلعت ملتا رہا۔ بعد غدر بجرم، مصاحبت بہادر شاہ اور بار و خلعت دونوں بند گئے۔ میری برات کی درخوات گزری۔ تحقیقات ہوتی رہی۔ تین برس کے بعد پنڈ چھٹا۔ اب خلعت معمولی ملا، غرضیکہ یہ خلعت ریاست کا ہے۔ عوض خدمت نہیں۔ انعامی نہیں معوج الذہن نہیں ہوں۔ غلط فہم نہیں ہوں۔ بدگمان نہیں ہوں۔ جو جس کو سمجھ لیا اس میں فرق نہیں آتا۔ دوست سے راز نہیں چھپاتا۔ کسی صاحب نے حیدر آباد سے گمنام خط ڈاک میں بھیجا۔ بند بری طرح کیا تھا۔ کھولنے میں سطر کٹ گئی۔ بارے مطلب ہاتھ سے نہیں جاتا۔ بھیجنے والے کی غرض یہ تھی کہ مجھ کو تم سے رنج و ملال ہو۔ قدرت خدا کی، میری محبت اور بڑھ گئی اور میں نے جانا کہ تم سے دل چاہتے ہو۔ وہ خط بجنسہ تمہارے پاس اس خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ زنہار دستخط پہچان کر کاتب سے جھگڑا نہ کرنا۔ مدعا اس خط کے بھیجنے سے یہ ہے کہ تمہاری ترقی منصب اور افزونی مشاہرہ اس خط سے مجھے معلوم ہوئی تھی۔

صبح جمعہ دہم شوال ۱۲۸۳ھ، ۵ افروری ۱۸۶۷ء

(۱۳)

جان غالب،

تم نے بہت دن سے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ ایک خط میرا ضروری جواب طلب گیا ہوا ہے۔ اور آمد و رفت ڈاک کی مدت گزر گئی۔ اس کا جواب تو سو کام چھوڑ کر لکھنا تھا۔ موید برہان میرے پاس بھی آ گئی ہے۔ اور میں اس کی خرافات کا حال بقید شمار صفحہ دو سطر لکھ رہا ہوں۔ وہ تمہارے پاس بھیجوں گا۔ شرط مودت، بشرط آنکہ جاتی نہ رہی ہو۔ اور باقی ہو، یہ ہے کہ مے ہوں یا نہ ہوں تم اس کا جواب لکھو۔ میرے بھیجے ہوئے اقوال جہاں جہاں مناسب جانو درج کر دو۔ میں اب قریب مرگ ہوں۔ غذا بالکل مفقود اور امراض مستولی۔ بہتر برس کی عمر۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ میاں محمد میراں کی دعا۔

۴۔ مارچ ۱۸۶۷ء جواب کا طالب، غالب

بندہ پرور،

آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ تمہاری اور صاحبزادے کی خیر و عافیت معلوم ہونے سے دل خوش ہوا۔ جو آپ کی عبارت سے سمجھ گیا ہوں۔ اس کا جواب لیجئے اور جو نہیں سمجھا۔ وہ مطابق میری التماس کے مجھے سمجھا دیجئے۔ عماد، عمائد شعرائے قدیم میں سے ہے۔ اس کی پان سات بیت کی ایک غزل ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے:

پائے سرتا نشود راہ تو رفتن نتواں
جز بہ جاروب مژہ کوے تو رفتن نتواں

۱؎ صحیح یہ ہے کہ میرزا ۱۸۲۷ء میں کلکتہ گئے اور ۱۸۲۹ء میں واپس آئے۔

۲؎ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۴۔ مارچ کا ہے۔ مطبوعہ نسخوں میں اسے ۱۴۔ مارچ کا بتایا گیا۔ جو میرے اندازے کے مطابق صحیح نہیں۔

پہلے مصرع میں رے مفتوح اور دوسرے مصرع میں مضموم۔ باقی اشعار میں گفتن و سفتن وغیرہ قافیے ہیں۔ استاد دو مصرعوں میں حرکت ماقبل روی مختلف لایا۔ اگر میں نے پچاس شعر کے قصیدے میں ایک شعر ایسا لکھا تو کیا غضب ہوا؟ آیا معترض صاحب استناد بمثل و نظیر کو نہیں جانتے اور نہیں مانتے؟ یہ دستور میرا نکالا ہوا نہیں قدیم سے ہے۔

بندہ نواز میں نے لکھا کہ موید برہان میرے پاس آ گئی ہے اور میں اس کے اعتراضات کے جواب بہ نشان صفحہ و سطر ایک تختہ کاغذ پر لکھ رہا ہوں۔ بعد اتمام

نگارش تمہارے پاس اس مراد سے بھیجوں گا کہ تم از راہ عنایت موید کا جواب لکھو۔ میری نگارش جو پسند آئے اس کو بھی جا بجا درج کردو۔ تم نے اس درخواست کا جواب ہاں، نا کچھ نہ لکھا۔ اب عنایت فرما کر ان تینوں باتوں کا جواب لکھیے۔ میاں محمد میراں کو دعا۔

۱۸۔ مارچ ۱۲۶۷ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱۵)

منشی صاحب، الطاف نشان، سعادت و اقبال تو امان، منشی حبیب اللہ خاں کو غالب سوختہ اختر کی دعا پہنچے۔ تمہارا خط پہنچا۔ پڑھ کر دل خوش ہوا۔ تم میری بات پوچھتے ہو۔ لیکن میں کیا لکھوں؟ انگلیاں کہنے میں نہیں۔ ایک آنکھ کی بینائی زائل۔ جب کوئی دوست آجاتا ہے۔ تو اس سے خطوط کا جواب لکھوا دیتا ہوں، مشہور ہے یہ بات کہ جو کوئی اپنے عزیز کی فاتحہ دلاتا ہے، موتی کی روح کو اس کی بو پہنچتی ہے۔ ایسے ہی میں سونگھ لیتا ہوں غذا کو، پہلے مقدار غذا کو تولوں پر منحصر تھی۔ اب ماشوں پر ہے۔ زندگی کی توقع آگے مہینوں پر تھی اب دنوں پر ہے۔ بھائی ۳ اس میں کچھ مبالغہ نہیں ہے۔ بالکل میرا یہی حال ہے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

دوم شوال ۱۲۸۴ھ (مطابق ۲۷۔ جنوری ۱۸۶۸ء) اپنی مرگ کا طالب، غالب

چودھری عبدلغفور سرور

سرور مارہرہ ضلع ایٹہ کے رئیس اور قوم کے کمبوہ تھے۔ میرزا عسکری نے لکھا ہے کہ ان کے اجداد بہ عہد شہاب الدین غور مارہرہ میں مقیم ہو گئے تھے اور انھیں لوگوں حضرت صاحب عالم مارہروی کے بزرگوں کو مارہرہ میں بلا کر عزت سے رکھا تھا۔ کہتے ہیں کہ سرور فارسی بہت اچھی جانتے تھے اور صرف فارسی میں شعر کہتے تھے۔ جب انشاے بہارستان لکھی تو غالب سے تاریخ کی فرمایش کی، جس کا ذکر میرزا کے خط میں بھی آیا ہے۔ لکھتے ہیں وعدہ نہیں کرتا بے وعدہ پہنچنے لگا تو زیادہ لطف آئے گا۔

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے
وہ گدا جس کو نہ ہو خوے سوال اچھا ہے

سرور نے میرزا کے اردو خطوط جمع کر لیے تھے اور خود ان پر ایک مقدمہ لکھا تھا۔ جس میں فرماتے ہیں:

''جب کلام بلاغت نظام رشک صائب، فخر طالب، جناب اسد اللہ خاں صاحب غالب کو دیکھا، دل کو بھایا، یکتا پایا۔ ترسیل مراسلات میں قدم بڑھایا۔ ہر کتابت کا جواب آیا۔ سبحان اللہ وہ زبان کہاں پاؤں کہ ان کے خلق کا بیان لب پر لاؤں..... کبھی جواب مراسلہ میں تساہل و درنگ او راصلاح شعر و عبارت میں دریغ و ننگ نہ فرمایا۔ جو نامہ کہ بہ نام میرے بہ عبارت اردو تحریر کیا۔ مکتوب سادہ رویوں سے دلربا تر اور ہر سطر اس کی سلسلہ

مویوں سے تاب فرساتر ہے..... پس تنہا متلذذ ہونا اور آپ ہی مزا اٹھانا خلاف انصاف جانا، دل مائل تمام بہ شہرت عام ہوا۔''

پھر لکھتے ہیں کہ اس اثنا میں ممتاز علی خاں صاحب میرٹھی مارہرہ آئے۔ انھوں نے انطباع خطوط کا بیڑا اٹھایا، میں نے خطوط مرتب کر دیے۔

چونکہ محبت جناب غالب میرے حال پر بہت غالب ہے، لہذا نام اس انشا کا مہر غالب، بہ کسر میم مناسب ہے سال ختم تالیف بھی اس نام سے مطابق پایا۔ طبیعت اور بڑھی۔ تحریر تاریخ کو دست قلم بڑھایا:

انشا مملو بہ صد مطالب لکھی
یعنی پئے دوستان طالب لکھی
موسوم کیا جو مہر غالب سے سرور
تاریخ بھی اس کی، مہر غالب لکھی

گویا یہ مجموعہ ۱۲۷۸ھ میں مرتب ہوا۔ لیکن اس کے چھپنے میں دیر ہوتی رہی۔ اس لیے کہ اور خطوط جمع کر نیکا خیال ہوگیا تھا اور خواجہ غلام غوث خاں بیخبر اس کام کے مہتمم بن گئے تھے۔ آخر یہ مجموعہ بنام عود ہندی غالب کی وفات سے صرف چار ماہ پیشتر چھپا، جس کا ابتدائی حصہ سرورک مکاتیب پر مشتمل ہے۔ سنا ہے کہ سرور کا انتقال بیسویں صدی کے اوائل ہوا۔ ان خطوط کی ترتیب میں زیادہ تر قرائن و قیاسیات سے کام لینا پڑا۔ ضروری نہیں تمام قیاسات درست ہوں۔

میرے کرم فرما، میرے شفیق:

شرط اسلام بود ورزش ایماں بالغیب
اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان من است

آپ کے اس خط کا جواب بعد اس شعر کے منحصر التماس پر ہے کہ میری طرف سے تحریر جواب خط میں کبھی تقصیر نہ ہوگی۔ لیکن اغلب و اکثر ابتداء بہ تحریر نہ ہوگی۔ یہ خط ناچار از روے اضطرار واپس بھیجتا ہوں۔ واسطے خدا کے میرے پیر و مرشد[1]

---

[1] صاحب عالم مارہروی۔

کے ارشادات کو ایک اور کاغذ پر اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھیج دیجئے تاکہ مجھ بدنصیب کو معلوم ہو کہ حضرت نے کیا لکھا ہے۔ جناب چودھری غلام رسول صاحب[1] کی خدمت میں سلام نیاز، استاد شیخ عطا حسین[2] صاحب کی جناب میں سلام

۱۸۵۸ء

---

[1] ملاحظہ ہو خط نمبر ۱۳۔ اگر اسے ۱۴ مارچ کا مانا جائے۔ جیسا کہ مطبوعہ نسخوں میں ہے تو چار روز میں نفی یا اثبات کے جواب کی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ خط نمبر ۱۳، ۴ مارچ کا ہو گا نہ کہ ۱۴۔ مارچ کا ۳ اس خط سے ایک سال اور بیس روز بعد انتقال ہوا۔

(۲)

جناب چودھری صاحب کی یاد آوری اور مہر گستری کا شکر بجالاتا ہوں۔ آپ کا خط مع قصیدہ و مثنوی پہنچا۔ مثنوی کو جداگانہ بہ طریق پمفلٹ بھیجتا ہوں اور یہ خط جداگانہ ارسال کرتا ہوں۔ لفافہ اسکا بھی آپ کے نام کا ہے۔ آپ کے جواب کا ماجرا اور صبح کو ادھر کا قصہ اور پھر اپنے چچا صاحب کے کہنے سے نظر تالبستان پر اس عزم کا ملتوی رکھنا معلوم ہوا۔ آپ کے چچا صاحب کے کہنے سے نظر تالبستان پر اس عزم کا ملتوی رکھنا معلوم ہوا۔ آپ کے چچا صاحب نے کرامت کی کہ جو آپ کو منع کیا۔ ڈاک کی سواری پر اگر آپ اس شہر میں میرے مکان پر آجاتے تو ممکن تھا۔ مگر رہنا شہر میں بے حصول اجازت حاکم احتمال ضرور رکھتا ہے۔ اگر خبر نہ ہو تو نہ ہو، اگر خبر ہو جائے تو البتہ قباحت ہے، زنہار کبھی یہ گمان نہ کیجئے گا کہ دلی کی عملداری میرٹھ اور آگرہ اور بلاد شرقیہ کی مثل ہے۔ یہ پنجاب احاطہ میں شامل ہے۔ نہ قانون نہ آئین۔ جس حاکم کی جو رائے میں آوے۔ وہ ویسا ہی کرے۔ بہ ہر حال:

اے وائے زمحرومی دیدار دگر ہیچ

ان شاء العظیم دو تین مہینے میں یہاں بھی صورت امن و امان کی ہو جائے گی۔ مگر میری آرزو باستیفا اس صورت میں بھی بر نہ آئے گی۔ میں یہ تا کے ہوئے ہوں کہ میری اور تمہاری ملاقات اس طرح سے ہو کہ ہم تم ہوں اور حضرت صاحب عالم ہوں اور باہم حرف و حکایت کریں۔ اگر زمانہ میری خواہش کے موافق نقش قبول کرتا ہے تو میں مارہرہ کو آتا ہوں۔ حضرت پیر و مرشد کا اشتیاق اور اسی جلسے میں

تمہارے دیدار کا شوق ایسا نہیں ہے کہ مجھ کو آرام سے بیٹھا رہنے دے گا۔

صاحب یہ مثنوی تو میرے واسطے ایک مرثیہ ہوگئی ہے۔ اس بزرگوار کے جگر میں کیا کیا گھاؤ پڑے ہوں گے۔ تب یہ تراوش خونناب ظہور میں آئی ہوگی۔ مزا یہ ہے کہ عنوان بیان سے حق بجانب انھیں کے معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اصل کاغذ میری نظر میں نہیں اور حقیقت حال مجھ پر مجہول ہے۔ اس واسطے انجام و آغاز، اندازہ کچھ نہیں سمجھا۔ حک و اصلاح کو آپ بہ نظر امعان ملاحظہ فرمائیں۔ میں نے بحسب دستور ہر جگہ منشاء اصلاح لکھ دیا ہے۔ شیخ صاحب سے میرا سلام کہیے گا اور کہیے گا کہ کیا کروں۔ دور ہوں۔ معذور ہوں۔ مدد نہیں کرسکتا۔ اعانت کے مراسم تقدیم کو نہیں پہنچا سکتا۔ خدا تمہارا نگہبان رہے۔ والسلام

(۱۸۵۸ء)

۱؎ سرور کے چچا مارہرہ کے ایک خوش مزاج اور بذلہ سنج استاد جن کی مثنوی شکایت سعایت پر میرزا غالب نے اصلاح دی تھی۔ اس مثنوی لوگوں کی خبیثوں اور سازشوں کا ذکر تھا۔ عطا حسین کی وفات ۷۔ ذی حجہ ۱۲۹۶ء کو ہوئی۔

(۳)

بندہ پرور،

آپ کا تفقد نامہ محررہ ۱۵۔نومبر آج پنجشنبہ کے دن ۱۸۔نومبر کو یہاں پہنچا۔ مارہرہ کا خط دلی چوتھے دن آیا، دلی کا خط مارہرہ دیر کیوں پہنچتا ہے۔لوتمہاری خوشی۔اب کے بیرنگ بھیجتا ہوں اگر مجھ کو اطلاع دیجے گا کہ کس دن پہنچتا؟

۱۱۔مئی ۱۸۵۷ء کو یہاں فساد شروع ہوا۔جو سنا گیا وہ بھی ضمیمہ سرگزشت کرتا گیا ۔مگر بطریق لزوم مالایلزم، اس کا التزام کیا ہے کہ زبان فارسی قدیم، جو دساتیر کی زبان ہے۔اس میں یہ نسخہ لکھا جاوے اور سوائے اسماء کے کہ وہ نہیں بدلے جاتے ۔کوئی لغت عربی اس میں نہ آوے چنانچہ ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ مگر یہ نذر ہے جناب قبلہ و کعبہ حضرت صاحب عالم کی اور چونکہ وہ آپ کے بزرگ ہیں۔جرات نہ کرسکا آپ کی نذر کروں اور سیر میں ان کو مشترک رکھوں۔

نذر ان کی ہے اور فیض یابی آپ کے مطالعہ سے۔

ہیہات یہ کاتب اساتذہ کے کلام کو کیا بگاڑ دیتے ہیں، گویا مسخ کر دیتے ہیں۔ ان سے بعید نہیں، لیکن تم سے اور حضرت صاحب سے بعید ہے کہ سہو کاتب کا نہ سمجھ لیا۔

من آں دریاے آشوبم کہ از تاثیر خاصیت

دو کافوں کا علی التواتر آنا دوسری بات ہے۔دریاے آشوب کیا ٹکسال باہر لفظ ہے۔استعارہ بالکنایہ صحیح، مگر یہ محل نہیں ہے۔یہاں تو دریا چاہیے بے شائبہ استعارہ

دکنایہ، عیاذ اللہ عرفی اگر ایک بڑا قدح بھنگ کا یا ایک بوتل شراب کی پیے ہوئے ہوتا تو بھی یوں نہ لکھتا۔ اس غریب کا مصرع یوں ہے:

من آں دریا پر اشوبم کہ از تاثیر خاصیت

دریا، موصوف، پر آشوب، صفت، دوسرے مصرع کا کاف صفت کی تفسیر۔

اب روے سخن حضرت صاحب عالم کی طرف ہے۔ امیدوار ہوں کہ میرے ہم مرشد، میرے ہم فن مخدوم، میری تقصیر معاف کریں گے۔ اگر چہ تر یسٹھ برس کی عمر میں بہرا ہو گیا ہوں، پر بینائی میں فتور نہیں، عینک سے اعانت چاہتی منظور نہیں۔ باوجود جدت بصر، بسبب نقص فہم کے دستخطی عبارت مجھ سے پڑھی نہیں جاتی۔ آگے جو دو بار میں نے جواب لکھا ہے۔ صرف قرائن ملحوظ رکھے ہیں ورنہ عبارت باستیفا مجھ سے نہیں پڑھی گئی۔ آخر چودھری صاحب تو آپ کے معتقدوں میں بہ منزلہ عزیزوں کے ہیں۔ جو آپ فرمایا کریں۔ وہ انھیں الفاظ کو لکھ دیا کریں۔ اب سب عبارت کا جواب جب لکھوں گا۔ کہ کتاب کی رسید اور اس مطلب کا اعادہ تحریر بہ دستخط چودھری صاحب میرے پاس آ جائے گا۔

۱۸۔ نومبر ۱۸۵۸ء

۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ سرور نے خود کہا تھا کہ خط بیرنگ بھیجا کیجئے۔

(۴)

جناب چودھری صاحب،

آپ کا عنایت نامہ اس وقت پہنچا اور یہ وقت صبح کا ہے۔ دن بدھ کا، ربیع الثانی کی چوبیسوں (۱۲۷۵ھ) اور دسمبر کی پہلی (۱۸۵۸ء) کتاب کے پارسل کی رسید معلوم ہوئی۔ حکیم عبدالرحیم خاں کوئی نامی اور نامور نہیں ہیں۔ یہاں کے قاضی زادوں میں سے ایک شخص ہیں۔ طبابت کرنے لگے ہیں۔ میرے بھی آشنا ہیں، صرف سلام علیک، زیادہ ربط نہیں ہے۔ سو ان کا حال مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں۔ آگے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ جو لکھیں وہ بقلم چودھری صاحب لکھا جائے۔ حضرت نے نہ مانا اور پھر عبارت بدستخط خاص لکھی۔ واللہ باللہ نہ مجھ سے نہ اور کسی سے پڑھی گئی۔ ناچار ان کا خط پھر آپ کو بھیجتا ہوں۔ حضرت سے کچھ نہ فرمائیے گا، مگر اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے مجھ کو بھجوائیے گا۔ ضرور اور جلد۔ شفیق مکرم جناب چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

یکم دسمبر ۱۸۵۸ء

(۵)

چودھری صاحب شفیق مکرم کی خدمت میں بعد ارسال سلام مسنون عرض کرتا ہوں۔ کہ آپ نے ذرہ پروری اور درویش نوازی کی، ورنہ میں سزا دار ستایش نہیں ہوں۔ ایک سپاہی زادہ ہیچ مدان اور دل افسردہ درواں فرسودہ۔ ہان، ایک طبع موزوں اور فارسی زبان سے لگاؤ رکھتا ہوں اور یہ بھی یاد رہے کہ فارسی کی ترکیب الفاظ اور فارسی اشعار کے معنی کے پرواز میں میرا قول اکثر خلاف جمہور پائے گا اور حق بجانب میرے ہوگا۔

پہلے میں حضرت سے پوچھتا ہوں۔ کہ یہ صاحب جو شرحیں لکھتے ہیں۔ کیا یہ سب ایزدی سروش[۱] ہیں اور ان کا کلام وحی ہے۔ اپنے اپنے قیاس سے معنی پیدا کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر جگہ ان کا قیاس غلط ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ صحیح ہے۔

اسی چھاپے میں آپ جس کا حوالہ دیتے ہیں:

منکہ باشم عقل کل ۲

اس شعر کی شرح کو ملاحظہ کیجئے۔ عبارت وہ تعقید سے لبریز کہ مقصود شارح کا سمجھا بھی نہیں جاتا اور جب غور و تامل کے بعد سمجھ لیجیے تو وہ معنی ہرگز لائق اس کے نہیں ہیں کہ فکر سلیم اس کو قبول کرے۔ پھر:

---

[۱] خدائی فرشتے۔۔۔ [۲] عرفی کا شعر ہے:

منکہ باشم عقل کل را ناوک انداز ادب

مرغ اوصاف تو از اوج بیاں انداختہ

''احسان ت و بشگافتہ!

اس مصرع کی توجیہ کتنی بےمزہ اور بےنفع ہے۔عرفی کو کہاں سے لاؤں جو اس سے پوچھوں کہ بھائی تو نے اس شعر کے کیا معنی رکھے ہیں؟ قصہ کوتاہ:

دیواں گری محبت تو

کامروز مسلم ست مارا

بیگانہ زتاج کرد تارک

آوارہ ز کفش کرد پارا

جیسا کہ دوسرے شعر کے مفہوم کو شارح کہتا ہے کہ دیوانگی میں یہ حالت بعید نہیں۔ایسا ہی اگر کوئی کہے منصب دیوانی سے یہ بات بعید ہے۔تو پھر شارح کیا جواب دیگا؟ ہاں یہ کہے گا کہ غلبہ محبت میں پاس وضع نہ رہا۔اور دیوان جی صاحب کچہری سے ننگے سر اور ننگے پاؤں نکل بھاگے،ہم نے مانا،مگر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ دیوانگی کیوں نہ لکھیں کہ دوسرے شعر کے معنی بےتکلف منطبق ہو جائیں اور تو جیہات درمیان نہ آئیں؟فقیر کے نزدیک دیوانگی محبت تو صحیح اور بےتکلف ہے اور دیوانگی ومحبت تو غلط محض،اور دیوانگی محبت تو تکلف محض،دیوانگی اور محبت دو صفتیں کیوں جمع کریں؟؟غور کیجئے عطف داؤ یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص پہلے سے دیوانہ تھا اور پھر اسی حالت میں اس کو محبت دو صفتیں کیوں جمع کریں؟؟غور کیجئے،عطف داؤ یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص پہلے سے دیوانہ تھا اور پھر اسی حالت میں اس کو محبت پیدا ہوئی۔ دیوانگی میں تاج وکفش بےجا تھے۔محبت پیدا ہونے کے بعد یہ حالت طاری ہوئی۔

کیا بے مزہ توجیہ ہے۔ ہاں دیوانگی محبت ، یعنی وہ جنون جو فرط محبت میں بہم پہنچا۔ اس نے اس احوال ک و پہنچایا۔ فقیر دیوانگی محبت کہے گا اور دیوانگی و محبت ، کہنے کو، منع کرے گا اور دیوانگری محبت کو نہ مانع آئے گا نہ تسلیم کرے گا۔ زیادہ اس سے کیا عرض کروں؟ یا وآوری اور مہر گستری کا شکر بجالاتا ہوں اور بس۔

اب یہاں سے روے سخن حضرت پیر و مرشد صاحب عالم کی طرف ہے۔ اپنے مخدوم و مطاع حضرت صاحب کی خدمت میں بندگی عرض کرتا ہوں اور حیران ہوں کہ اور کیا کہوں؟ یہ مدعا چودھری صاحب کی تحریر سے معلوم ہو گیا تھا۔ اسکا جواب لکھا گیا۔ حضرت کے دستخط خاص کی لکھی ہوئی عبارت سے جو سمجھتا ہوں اس کا جواب لکھتا ہوں اور جو مجھ سے نہیں پڑھا گیا۔ وہ تعویذ بازو کر رکھتا ہوں۔ اگر بفرض محال کبھی ملاقات ہوگی تو آپ سے دریافت کر کے پاسخ گزارہوں گا۔

ہاں حضرت سچ ہے۔ میر ابن حسن[3] خاں میرے دوست ہیں اور میرزا عباس[4] میرا بھانجا۔ فتنہ و فساد[5] کے زمانے میں بلگرام میں رہا۔ اب وہ فرخ آباد میں ڈپٹی کلکٹر ہے۔ آپ کی اور بھائی منشی بنی بخش صاحب کی ملاقات سے میرا دل بہت خوش ہوا۔ سخن فہمی اس بزرگ دار کا حق ہے۔ اب آگرہ میں بے کار اور پنسن کے امیدوار ہیں:

---

[1] عرفی کا مصرع: احسان تو بشگافتہ ہر قطرہ یم را۔۔۔ [2] مطلب یہ ہے کہ عرفی نے دیوان گری نہیں بلکہ دیوانگی محبت لکھا تھا۔ [3] عود ہندی مرتبہ مولانا مرتضی حسین غافل کے مطابق میر ابن حسین خان بن میر نثار حسین خاں بلگرامی [4] میرزا عباس بیگ بن مرزا اکبر بیگ، انھوں نے (باقی صفحہ ۴۰۱ پر)

مصرع:

تا ہر چہ گفتے از تو مکرر شنود لے

''شدے'' کی رعایت سے کہ وہ بیاے مجہول ہے بہ معنی ، میشد اکثر صاحب گفتی کو بیاے مجہول پڑھتے ہیں تا کہ میگفت کے معنی پیدا ہوں ۔اس صورت میں خطاب سے بطرف غیب کے رجوع کرتے ہیں اور گفتی بیاے معروف سے صیغہ واحد حاضر ہے، ازمنہ میں سے اشعار زمانہ ماضی رکھتا ہے اور شدن شود یہ بہت استقبال کے ہیں اور معروف گفتی ماضی ہے ۔پس اگر گفتی ، بیاے معروف کہیے تو اوپر کے مصرع میں بدے کہنا ہوگا۔ بودے کا مخفف ۔خلاصہ یہ کہ اگر وہاں بدے کہیے تو یہاں گفتی بیاے معروف بے تکلف درست اور بیاے مجہول غلط ہے اور اگر وہاں شدے کہیے تو یہاں گفتے بیاے مجہول کہیے۔غیبت اور خطاب کا تفرقہ مٹا دیجیے۔گفتے بیاے مجہول میں خطاب حاضر مقرر رہتا ہے۔اور تو کا لفظ جو قریب ہے۔وہ اس معنی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔نظائر اس کے فارسی میں بہت ہیں۔رباعی کے باب کی پرسش ہرگز نہ رہے، نہیں کہی ۔زیادہ حد ادب ۔

۱۸۵۹ء

(۶)

بندہ پرور،

مہربانی نامہ آیا۔ آنکھوں سے لگایا، فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہے۔ پھر تتبع کلام اہل زبان، لیکن نہ اشعار قتیل[۱] و واقف[۲] و شعرائے ہندوستان کہ یہ اشعار سوائے اس کے کہ ان کو موزونی طبع کا نتیجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۰) انگریزی پڑھ لی تھی۔ انگریزوں سے تعلقات اچھے تھے۔ سر ہنری لارنس نے انھیں صوبہ غرب و شمال میں اچھا عہدہ دے دیا تھا۔ غدر میں میں خدمات کی بنا پر بڑا گاؤں کی جاگیر ملی اور چھ سو روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہوگئی۔ عاشور بیگ عباس بیگ کے بھائی تھے، جو اپنے احمد بیگ کے ساتھ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں انگریزوں کے ہاتھ سے مارے گئے، جیسا کہ خود میرزا غالب نے یوسف میرزا کے نام ایک خط میں لکھا ہے۔ (دیکھیے خط نمبر ۷) ۵ یعنی ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ

[۱] قتیل، اجداد کا وطن بٹالہ (ضلع گورداسپور) قتیل کے والد پہلے باغپت پھر دہلی چلے گئے۔ قتیل کی پیدائش فرید آباد کی ہے جو دہلی کا ایک محلّہ تھا۔ اصل نام دیوالی سنگھ تھا۔ میرزا محمد باقر شہید طہرانی (متوفی ۱۱۷۸ء سے پڑھا۔ اسلام قبول کرلیا۔ محمد حسن نام رکھا۔ ترکی اور عربی کے بھی ماہر تھے۔ نواب سعادت علی خاں کے ہاں معزز منصب دار تھے۔ ۲۳۔ ربیع الاول ۱۲۳۳، ۳۔ جنوری ۱۸۱۸ء کو لکھنو میں وفات پائی [۲] قاضی نورالعین واقف بٹالوی بن قاضی امانت اللہ، حاکم لاہوری

کے ساتھ حج کا قصد بھی کیا تھا۔ لیکن سورت پہنچ کر عوارض جسمانی کے باعث جہاز کا سفر نہ کر سکے۔ اور سورت میں حاکم کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ کیمیا کا بھی شوق تھا۔ یہ ۱۱۷۶ھ، ۱۷۶۳ء کا واقعہ ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے سید غلام علی آزاد کی کتاب، خزانہ عامرہ، واقف بہاول پور کے باقی صفحہ ۲۰۴ پر)

کہیے اور کسی تعریف کے شایاں نہیں ہیں۔ نہ ترکیب فارسی، نہ معنی نازک، ہاں الفاظ فرسودہ عامیانہ جو اطفال وبستان جانتے ہیں کہ اور جو متصدی نثر میں درج کرتے ہیں، وہ الفاظ فارسی یہ لوگ نظم میں خرچ کرتے ہیں۔ جب رودو کی وعنصری وخاقانی ورشید وطواط اوران کے امثال ونظائر کا کلام بالا ستیعاب دیکھا جائے اوران کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہنچے اور ذہن اعوجاج کی طرف نہ لے جائے تب آدمی جانتا ہے کہ ہاں فارسی یہ ہے۔

''منکہ باشم''! اس کی جو شرح چھاپے میں لکھی ہے اس کو ملاحظہ کیجئے اور معنی میرے خاطرنشاں کیجئے تو میں سلام کروں۔

پہلے نظر یہاں لڑنی چاہیے کہ ازواج بیان انداختہ کا فاعل کون ہے اور مفعول کون ہے، اگر عقل کل کو انداختہ کا مفعول اور منکہ کے کاف کو کدامیہ ٹھہراؤ گے تو بے شبہ، انداختہ کے فاعل دو ٹھہریں گے، ایک نادک انداز ادب، اور ایک مرغ اوصاف تو ایک فعل اور دو فاعل، یہ کیا طریق اور کیسی تحقیق ہے۔

اب فقیر سے اس کے معنی سنیے: ''من انداختہ کا مفعول را مقدر منکہ کا کاف توصیفی، نازک انداز ادب، ادب آموز یعنی استاد، مرغ اوصاف تو فاعل (یعنی مجھ کو کہ عقل کل کا استاد ہوں، تیرے مرغ اوصاف نے اوج بیان سے گرادیا۔ عقل

کل تک کہ وہ علویوں[۲] میں اعلیٰ ہے اس کا ناوک پہنچ سکتا تھا۔ مگر مرغ اوصاف اس مقام پر ہے کہ جہاں اس ناوک انداز کو ناوک پہنچانے کی گنجایش نہیں۔ اوج بیان سے گرنا عاجز آنا ہے۔ قدرت وہ کہ عقل کل سے بھی زیادہ اور عجز یہ کہ اوج بیان سے گر گیا۔ اچھا مبالغہ ہے مرغ اوصاف کی بلندی کا اور کیا خوب مضمون ہے اظہار عجز کا، باوجود دعوائے قدرت:

ایثار تو بر درختہ چشم و دہن آز

اس کے معنی وہی ہیں جو چھاپے میں لکھے ہیں۔ مصرع ثانی کی شرح میں گمراہ ہو گیا،

احسان تو بشگافتہ ہر قطرہ یم را

یعنی احسان تو ہر قطرہ دریا بشگافت تاہم بقید حساب نیامد، یہ ہیچ مداں اس معنی نہیں سمجھا۔ سیدھی بات ہے مگر خیال میں جب آئے گی کہ اساتذہ کے مسلمات معلوم ہوں۔ کمال ایثار و عطا مرد ارید دیا قوت و بحرہ معدن کی کم بختی آتی ہے۔ لعل و در کا معدوم ہو جانا اور بحر و کان کا خالی رہ جانا نئی نئی طرح سے باندھا ہے۔ چنانچہ میں نے کسی زمانے میں اسی زمین میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴) دربار سے بھی وابستہ رہے۔ گیارھویں صدی کے اواخر یا بارھویں کے اوائل میں وفات پائی۔ اعرفی کا شعر پہلے بھی نقل ہو چکا ہے۔ یہاں چونکہ اس کی شرح لکھی ہے۔ اس لیے دوبارہ نقل کیا جاتا ہے:

منکہ باشم عقل کل را ناوک انداز ادب
مرغ اوصاف تو از اوج بیاں انداختہ

۲؎ بضم عین نیز بکسر عین وسکون لام، عالم بالا کی ہستیاں مثلاً فرشتے وغیرہ۔

قصیدہ لکھ کر وزیر الدولہ والی ٹونک کو بھیجا تھا۔ اس میں کے دو شعر آپ کو لکھتا ہوں:

ناموس نگہ داشتی از جود بہ گیتی
جز پروگیان حرم معدن و یم را
وقت است کہ ایں قوم بہ ہر کوچہ و بازار
پرسندر ہم منشاء رسوئی ہم را

''پروگیان حرم معدن و یم، یعنی لعل و گوہر جو کثرت ایثار سے کوچہ و بازار میں خاک آلودہ پڑے ہوئے ہیں، وہ باہمہ گر دردمندانہ یہ گفتگو کرتے ہیں کہ اس شخص نے سب کی حرمتیں رکھ لیں اور اب کی آبروئیں بچالیں۔ ہم کو اس قدر بے حرمت اور ذلیل کیوں رکھا ہے؟

قطرہ دریا کا حساب کے واسطے چیرنا، بے حساب ہے مقولہ عرفی کا یہ ہے کہ جتنے موتی دریا میں ہاتھ آئے وہ بخش دیے اور بخشش کا ذوق باقی رہا۔ چونکہ قطرہ میں بالقوہ استعداد موتی ہو جانے کی ہے۔ تو اس احتمال سے ہر قطرہ دریا کو چیر ڈالا کہ اگر موتی ہاتھ آویں تو وہ سائلوں کو دیے جاویں۔ پہلے مصرع میں حرص کا سیر کر دینا موافق مسلمات شعر، ممتنع اور اسکا وقوع میں آنا اغراق، دوسرے مصرع میں بہ احتمال استعداد بالقوہ قطرے کو چیر ڈالنا اور پھر اس طرح کہ ہر قطرے کو، یہ اغراق سے گزر کر تبلیغ وغلو ہے۔

یہاں سے خطاب حضرت صاحب عالم کی طرف ہے۔ مخدوم مکرم ومطاع

معظم ،قبلہ دیدہ و دل جو میرے اور اپنے ملنے کو از قسم فرض محال نہیں مانتے ہیں خدا کرے ایسا ہی ہو ،جیسا وہ جانتے ہیں ۔تقصیر معاف ہو اگر دنیا میں ظہور امر ،بحسب مساعدتِ اسباب ہے ۔تو اس تمنا کا حصول مانند اعادہ شباب[۲] ہے ۔کوئی وجہ نہیں پاتا آپ کے یہاں تشریف لانے کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی میرے وہاں آنے کی ۔اگر چہ چیز امکان سے باہر نہیں ۔مگر وقوع میں تامل ہے ۔اب جو بھائی نبی بخش صاحب کو خط لکھوں گا تو آپ کا سلام ضرور لکھ دوں گا ۔آپ نے احباب ابعاض کی خیر و عافیت عموماً لکھی ۔بالتخصیص حضرت شاہ عالم صاحب کا سلام نہ لکھا ۔کیا وہ وہاں نہیں ہیں ؟اور اگر اور کہیں ہیں تو ان کا حال مجھ کو لکھیے اور اگر وہاں ہیں تو میرا سلام ان کو کہیے ۔

رباعی کے باب میں بیان مختصر یہ ہے کہ اس کا ایک وزن معین ہے ۔عرب میں دستور نہ تھا سوائے عجم کے ۔یہ بحر ہزج سے نکالا ہے ۔مفعول مفاعلن فعولن ، ہزج مسدس اخرب مقبوض مقصود ،اس وزن پر فعلن بڑھا دیا ہے ۔مفعول مفاعلن فعولن فعلن ، رحافات اسمیں بعض کے نزدیک اٹھارہ اور بعض کے نزدیک چوبیس ہیں اور وہ سب جائز اور روا ہیں اور اس بحر کا نام ،بحر رباعی ہے ۔رباعی ، سچ ہے کہ سوائے اس بحر کے اور بحر میں نہیں کہی جاتی اور یہ جو مطلع اور حسن مطلع کو رباعی کہتے ہیں ۔اس راہ سے ہے کہ مصرع چار ہیں ،کہو ورنہ رباعی نہیں ہے ۔نظم ہے ۔قدماء کو بیشتر اس کا التزام تھا کہ ہر مصرع میں قافیہ رکھتے تھے ۔خاقانی بر عایت صنعت ذوقافیتین کہتا ہے :

---

[۲] نواب وزیر الدولہ محمد وزیر خاں بن امیر الدولہ محمد امیر خاں والی ٹونک ۱۸۳۴ء میں

مسند نشین ہوئے ۔ اور ۱۸ جون ۱۸۶۴ء کو وفات پائی ۲ یعنی محال ہے، جیسے جوانی واپس نہیں آ سکتی ۔

من بودم و آں نگار روحانی روے
افگندہ دراں و زلف چوگانی گو
خلقے بدر ایستادہ خاقانی جوے
من در حرم وصال سبحانی گوے

میں پانچ سات برس سے بہرا ہو گیا ہوں ۔ ایک رباعی چار قافیہ کی اس مضمون خاص کی میں نے لکھی ہے ۔ بے رعایت صنعت ذو قافیتین :

وارم دل شاد و دیدہ بیان اے
وزکری گوشم نہ بود پروائے
خوب است کہ نشنوم زہر خو درائے
گلبانگ انا ربکم الاعلائے

فقیر اس باب میں متعصب ہے اور وزن ۱ کی دو بیت تین قافیہ والی کو رباعی نہ کہے گا ۔

نثر عاری نہ قافیہ نہ زن ، نثر مسجع ، قافیہ موجود ، وزن مفقود ، مگر اس میں ترجیع کی رعایت ضرور ہے ۔ یعنی فقر تین کے الفاظ مماثل اور ملائم ہمدگر ہوں اور یہ بات نہ ہوگی اور صرف قافیہ ہوگا تو اس کو مقفی کہیں گے نہ مسجع ۔

نثر مرجزوہ ہے کہ وزن ہو اور قافیہ نہ ہو ۔ جب آپ لالہ قتیل کے گھڑے ہوئے فقرے دیکھ چکے ہیں تو مجھ کو فقرہ تراشی کی تکلیف کیوں دیتے ہیں ؟ زمانہ

گزشتہ میں بھائی ضیاء الدین خاں صاحب نیر تخلص ایک مختصر سا دیوان حضرت نظامی کا مجھ کو دکھلانے لائے تھے۔ اس میں نثر مرجز تھی۔ میں اس دن نواب مصطفیٰ خاں حسرتی و شیفتہ کو خط لکھا چاہتا تھا۔ اسی وضع پر خط لکھا اور وہ خط پنج آہنگ میں ہے۔ مگر میں نے اس طرز میں بہ مقتضائے شوخی طبع یہ بات کی ہے کہ ایک جگہ جو فقرے مقفیٰ ہو گئے ہیں اور وہ لفظ مجھ کو پسند آئے ہیں۔ میں نے ان کو یوں ہی رہنے دیا ہے۔ اس کو دستور میں تصور نہ کیجئے گا۔ وہ رقعہ یہ ہے:

ہاں، خواجہ، بے پروا، من بندہ کہ غمناکم و زغصہ جگر چاکم خواہم سخنے گفتن، آں روز کہ مے رفتند، آں نامہ فرستاوند، کز دیدن آن خوش شد، دل تا جگر از اندوہ، گفتم چکنم غالب، چوں کار دگرگوں شد، می بایدم اینک رفت تا عذر سخن خواہم، چوں گرد و غبارے بود، رفتن نتوانستم۔ آں روز بشام آمد، لا بلکہ سدتر شد۔ سر ماندہ بہ بالین بر، چوں غم زدگان خفتم، ہے ہے چہ تواند خفت، آں خستہ کہ غمخوارش، بر زخم نمک ریزد۔ و زیدہ، بیدارش، شور ابہ روں باشد، چوں از افق شرقی، خورشید درخشندہ، ناگاہ، سرے بر زد۔ آتش بجہاں وزد، مرغ سحری پر زد، رفتم بجگر کاوی۔ واں راز نانی را، از دل بہ زباں وادم و رصورت تنہائی، بے پردہ چو ہمرازاں نے۔ آمد و ہمدم شدے چندانکہ اندر نے از مہر دیدم من، چوں من بنوا آمد، زاں نالہ کہ بر لب بود، از باطن نے سر زد، آں دم کہ نفس بانے، زینگونہ کشاکش کرد، ایک کاغذ نوشتہ، بود است بدستم در چوں نالہ نمودے داشت، زاں شعلہ کہ دودے داشت، بر صفحہ نشانہا ماند، گفتم مگر ایں صفحہ غمنامہ رازستے۔ فہرست نیازستے۔ باید کہ فرو پیچم، وانگہ بہ نشانمندی، زی خواجہ رواں سازم۔ کوتاہ کنم گفتن، آں نامہ کہ من گفتم، حجاب در

والا، برونده روان کردند، ہرچند در اندیشہ، پیدا است کہ خوش باشد، با خواجگی استغنا، با[1] ہمہ خوش بود۔ پوزش نہ پزیرفتن، امروز سحر گاہاں، روشن گہر آں نیر، کش روح رواں دانم، بل خوشتر ازاں، دانم، دیوان نظامی، آورد بسوے من، زینگونہ نوا پابود، در پردہ گفتارش کز ذوق بہنجارش، ایں

[1] دوسرا یعنی بجز رباعی کے[2] یہاں نے سے مراد حقہ ہے

زمزمہ سر کردم، والا گہرا اکبر خاں، خوانند سلام از من۔"

(۷)

جناب چودھری صاحب کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہوں اور شکر احسان بجا لاتا ہوں۔ حاشا، اور حاش للہ کے جواب کا حوالہ ان سطور پر رکھتا ہوں کہ جواب جناب حضرت صاحب کے ارشاد کے جواب میں لکھوں گا۔ آپ کو اتنا لکھنا اور کافی ہے کہ اپنے عم والاقدر جناب چودھری غلام رسول صاحب کو فقیر کا سلام نیاز پہنچایئے اور جناب عطا حسین صاحب عطا کو بھی سلام کہیے۔

اب خطاب جناب حضرت عالم صاحب کی طرف ہے۔ پیرومرشد قلم کا کام زبان سے لینا یعنی تحریر کے مطالب کو پڑھنا اور پڑھا دینا آسان ہے اور زبان کا کام قلم سے لینا دشوار ہے۔ یعنی جو کچھ کہا چاہیے وہ بات کہاں کہ کچھ میں نے عرض کیا، کچھ آپ نے فرمایا۔ دو چار باتوں میں جھگڑے نے انجام پایا۔ خیر دولت ہم زبانی کہاں میسر؟

آپ کا حکم بجالانے کو اپنا شرف جانتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ نظامی اب ایسا ہوا کہ جب تک فرید آباد کا کھتری دیوالی سنگھ ثم متخلص بہ قتیل جس کو حضرت نے مرحوم لکھا ہے۔ اس کی تصدیق نہ کرے۔ تب تک اس کا کلام قابل اسناد نہ ہو؟ قتیل اساتذہ سلف کے کلام سے قطعاً آشنا ہی نہیں۔ اسکے علم فارسی کا ماخذ ان لوگوں کی تقریر ہے کہ نواب سعادت علی خاں کے وقت میں ممالک مغربی کی طرف سے لکھنو میں آئے اور رہنگامہ آراہوئے۔ بیشتر سادو کشمیری یا کابلی وقندھاری ومکرانی۔ احیاناً کوئی عامہ اہل ایران میں سے ہوگا۔ مانا کہ عظمائے ایران میں سے بھی کوئی

ہوگا۔

تقریر اور ہے تحریر اور ہے۔ اگر تقریر بعینہٖ تحریر میں آیا کرے تو خواجہ وطواط سے اور شرف الدین علی یزدی اور ملا حسین واعظ کاشفی اور طاہر وحید سے، یہ سب نثر میں کیوں خون جگر کھایا کرتے؟ وہ سب اسی طرح کی نثر میں جو لالہ دیوالی سنگھ قتیل متوفی نے بتقلید اہل ایران لکھی ہیں نہ رقم فرمایا کرتے؟

یہ شخص مدعی ہے کہ کدہ کا لفظ سوائے پانچ چار اسم کے ساتھ ترکیب نہیں پاتا۔ پس آرزو کدہ اور دیو کدہ اور نشتر کدہ اور امثال اس کے جو ہزار جگہ اہل زبان کے کلام میں آیا ہے۔ وہ نادرست ہے! میں اور آپ بیٹھیں اور اس کے خرافات پڑھے جائیں اور جو میں عرض کروں اس پر حضرت غور فرمائیں، تب معلوم ہو کہ یہ کتنا لغو اور فارسی دانی سے کتنا بیگانہ ہے۔

آمدم برسر مدعا۔ نثر مرجز، اسکو کہتے ہیں کہ وزن ہو اور قافیہ نہ ہو، مقابل مقفیٰ[1] کے کہ قافیہ ہو اور وزن نہ ہو اور یہاں یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ وزن میں قید منظور نہیں۔ مثلاً حضرت نظامی علیہ الرحمتہ کی نثر کا وزن یہ ہے۔ مفعول مفاعیلن، مفعول مفاعیلن۔

---

[1] مولانا شبلی مرحوم نے ایرانی شاعری کے آخری دور کی خصوصیات پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اس زمانے میں الفاظ کی نئی تراشیں اور نئی ترکیبیں کثرت سے پیدا ہوئیں۔ مثلاً پہلے میکدہ، آتش کدہ وغیرہ مستعمل تھے۔ اب نشتر کدہ ہریم کدہ وغیرہ ترکیبیں پیدا ہوئیں..... الخ (شعر العجم جلد سوم ص ۲۵)

یہ فغانی سے کلیم ہمدانی کے دور کی کیفیت ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر قتیل کا دعوی وہی تھا جو پیش ہوا تو سراسر بے اصل تھا۔

حضرت ظہوری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں:

راتمیش سرد بن گلشن فتح ، خجرش ماہی دریاے ظفر،

یہ نثر مرجز ہے وزن اس کا۔ فعلاتن فعلن، کاتبوں نے متقی کرنے کے واسطے صورت بدل دی ہے اور وہ تصرف کیا ہے کہ نثر نہ مرجز رہی۔ نہ مقفی ۔ چنانچہ اساتذہ فن :لن تنالوالبر احتی تنفقوا ۔اس آیت سراسر ہدایت اثر کونثر مرجز کہتے ہیں اور اس کا وزن یہ ہے ۔فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ۔ویرزق من حیث لا یحتسب ۔ اسکا وزن فعولن فعولن فعول ۔ بندہ کی تحقیقات یہی ہے کہ نثر تین قسم پر ہے ۔مقفی قافیہ ہے اور وزن نہیں ۔مرجز وزن ہے اور قافیہ نہیں، عاری نہ وزن ہے نہ قافیہ۔ مسجع ۔وہی ہتی مقفی ہے کہ دونوں فقروں میں الفاظ ملائم اور مناسب ہمہ گر ہوں ۔ نظم میں یہ صنعت آپڑے تو اسکو مرصع ، کہتے ہیں اور نثر اس صنعت پر مشتمل ہو تو اس کو مسجع ، کہتے ہیں۔ اس قاعدہ کو نہ عبدالرزاق بدل سکتا ہے ۔ نہ صاحب قلزم[1] ہفت گانہ نہ۔ نہ یہ قطرہ بے سروپا[2]۔

''حاشا'' و حاش اللہ ، کلام اہل عرب میں اسی طرح ہے۔ جسطرح آپ فرماتے ہیں ۔مگر پارسیوں نے از راہ تصرف بہ معنی ، زنہار قرار دیا ہے یعنی تاکید، اگر منفی پر آئے تو نفی کی تاکید اور مثبت پر آئے تو اثبات کی تاکید۔

میں کسی کلمہ کا استعمال نہیں کرتا ، جب تک اہل زبان کے کلام میں نہیں دیکھتا۔ عیشی بے چارہ اسکے لائق نہیں کہ مستند علیہ بنے ۔مگر یہ لفظ غلط نہیں لکھا اس غریب

نے۔

حضرت قبلہ، فارسیوں کے تصرفات اگر دیکھیے تو حیران رہ جایئے۔ مجھ کو اس وقت کہاں یاد ہے اور کتاب کیا نام کوئی ورق بھی لکھا ہوا میرے پاس نہیں۔ حاشا کا کوئی شعر موکد نفی اگر یاد آ جائے گا تو آپ کو لکھا جائے گا۔

ہر زہ مشتاب و پے چادہ شناساں بردار
اے کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

یہ مثنوی۳ جس میں یہ مصرع ہے:

''حاش'' اللہ کہ بدنمی گویم ''

کلکتہ میں میں نے لکھی تھی۔ پانچ ہزار فراہم تھے اور جو اعتراض مجھ پر کیے تھے۔ ان میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ ہمہ عالم غلط ہے، یعنی ''ہمہ'' کا لفظ ''عالم'' کے لفظ کے ساتھ ربط نہیں پا سکتا۔ قتیل کا حکم یوں ہے۔ عرض کیا گیا کہ حافظ کہتا ہے:

''ہمہ عالم'' گواہ عصمت اوست

سعدی کہتا ہے:

عاشقم '' بر ہمہ عالم'' کہ '' ہمہ عالم'' ازوست

۱عبدالرزاق مولف مقدمات سہ نثر ظہوری اور صاحب قلزم قبول محمد لغت نگار جو غازی الدین حیدر کے نام سے لکھی گئی۔

۲قطرہ بے سر و پا صاحب ہفت گانہ یعنی ہفت قلزم کی رعایت سے کہا اور خوب کہا۔ ۳ مثنوی با دمخالفت

غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ مثنوی وہاں لکھی گئی اور ایک ایک نقل مولوی کرم حسین بلگرامی اور مولوی عبدلقادر رام پوری اور مولوی نعمت علی عظیم آبادی اور ان کے امثال اور نظائر کے پاس بھیجی گئی۔ اگر یہ لوگ جگہ پاتے تو میری کھال ادھیڑ ڈالتے۔ اب ایک نسخہ ہے۔ ابطال ضرورت، اگر چہ صاحب اس کا ہندی ہے۔ بلکہ ہندو ہے مگر قابل اچھا ہے۔ دیکھیے اساتذہ کیا کیا تصرفات نمایاں کر گئے ہیں۔

میں نے آج تک اردو میں انتظاری، بمعنی انتظار نہ آپ لکھا ہے، نہ اپنے شاگردوں کو لکھنے دیا۔ اساتذہ مسلم الثبوت کے ہاں فارسی موجود ہے۔ ''حاشا'' ایسا نہیں کہ ان میں فارسی والوں کو تامل ہو۔ زیادہ حد ادب۔

۱۸۵۹ء

(۸)

جناب چودھری صاحب،

آپ کو بعد ابلاغ سلام آپ کے خط کے پہنچنے سے آگہی دیتا ہوں اور یہ بھی آپ کو معلوم رہے کہ آپ کے چچا صاحب کے خط کا جواب اس سے آگے بھیج چکا ہوں۔ میں نہیں آ سکا۔

یہاں پنسن کا مقدمہ پیش ہوا۔ کبھی صاحب بہادر کمشنر بہادر کے پاس کبھی صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے پاس جانا ہوتا ہے۔ خود نہ جاؤں تو خیال رہتا ہے۔ کہ خدا جانے کس وقت بلا بھیجیں یا کس وقت کوئی پرسش آ جائے۔ بائیس مہینے سے وہ رزق کہ جو مقوم جسم اور مفرح روح تھا۲ مسدود ہے، کیا کھاؤں اور کیوں کر جیوں؟ للہ الحمد گنہگار نہیں ٹھہرا۔ پنسن پاؤں گا۔ مگر وہ پنسن گورنمنٹ کے پولیٹیکل سر شتے سے مقرر کی ہوئی ہے۔ سو دہلی کا اجنٹی دفتر فر دفر دلٹ گیا۔ کوئی کاغذ باقی نہیں رہا۔ اب یہ شہر پنجاب احاطہ میں مل گیا۔ پنجاب کا نواب لفٹنٹ گورنر بہادر یہاں کا صدر ٹھہرا۔ اس دفتر میں میری ریاست کا، میری معاش کا میری عزت کا نام ونشان نہیں ہے۔ ایسے ایسے پیچ پڑ گئے ہیں۔ کچھ نکل گئے ہیں، کچھ باقی رہے ہیں۔ یہ بھی نکل جائیں گے۔

کارہا آساں شود اما بہ صبر

یہاں سے روے سخن صاحب صاحب عالم صاحب کیطرف ہے۔ جناب رفعت مآب مولائی ومرشدی تسلیم قبول کریں۔ اور اس تحریر سے، جواب پاس بھیجی

ہے، مجھ کو شاداں اور اپنے بخت اور قسمت پر نازاں تصور فرمائیں۔ سب سمجھا اور سب مطالب کا جواب لکھتا ہوں۔ پہلے اپنا ایک شعر کمال گستاخی کو کار فرما کر لکھتا ہوں اور یہ نہیں لکھتا کہ یہ شعر میں نے کیوں لکھا ہے۔ شعر یہ ہے:

مرا بغیر ز یک جنس در شمار آورد
فغاں کہ نیست ز پروانہ فرق تا مگش

---

۱ کلکتہ میں شاہ اودھ کی طرف سے سفیر تھے۔ سید علی بلگرامی (شمس العلماء) اور سید حسین بلگرامی (عماد الملک) انھیں کے پوتے تھے۔ ۲ مقوم قائم رکھنے والا۔

بہ ہر حال حضرت کو یہ معلوم ہے کہ میں اہل زبان کا پیرو اور ہندیوں میں سوائے امیر خسرو دہلوی کے سب کا منکر ہوں۔ جب تک قدما اور متاخرین میں مثل صائب و کلیم و اسیر و حزیں کے کلام میں کوئی خط یا ترکیب نہیں دیکھ لیتا۔ اس کو نظم اور نثر میں نہیں لکھتا۔ جن لوگوں کے محقق ہونے پر اتفاق ہے جمہور کو، ان کا حال کیا گزارش کروں۔

ایک ان میں صاحب ، برہان قاطع ۱ ہے۔ اب دنوں ، برہان قاطع دیکھ رہا ہوں۔ اور اس کے فہم کی غلطیاں دیکھ رہا ہوں۔ اگر زیست باقی ہے تو ان نکات کو جمع کر کے اس نسخہ کا نام، قاطع برہان، رکھوں گا۔

کجا بود منزل کجا تا ختم

شعر فردوسی میں انگبین و شہد، اور شعر استاد میں، حرص و آواز و اقعی بادی النظر میں زاید معلوم ہوتا ہے۔ شیر ناب ، بہتر ہے۔ لیکن حرص و آز ، کو کیا کیجئے گا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ وہاں بھی خشم و آز ہے۔ ہرگز حرص و آز نہیں ہے۔ حکما اور

صوفیہ قوت غضبی اور قوت شہوی کی تعدیل میں کوشیں کرتے ہیں۔ قوت غضبی کی اصلاح سے فضیلت شجاعت اور قوت شہوی کی اصلاح سے فضیلت عفت حاصل ہے۔ اور یہ مسئلہ علم اخلاق میں مبرہن ہے۔ وہ بندہ من حرص و آز بے معنی محض۔ استاد کو بدنام کیا۔ ایک اسم سے دو مسمی تراشے۔ واحد حقیقی کا تثنیہ اس سے علاوہ۔ مرد عارف حکیم نے قوت شہوی کی اصلاح کا ذکر کیا اور قوت غضبی کا مذکور بھی نہ کیا۔ میں نے خود خشم و آز دیکھا ہے اور یہی بجا ہے۔ ''شہد'' کی جگہ ''شیر'' اور حرص کی جگہ ''خشم'' درست۔ میری رائے آپ کے مطابق، مگر گوگرد سرخ اور پیل سفید میں ساکت ہوں۔ یہ تقریر کہ گوگرد سرخ کمیاب اور پیل سفید نایاب ہے۔ میرے دل نشین نہ ہوئی۔ کبریت احمر اور کیمیا اور عنقا ان سب کا حکم ہے۔ نظر اس قاعدے پر لعل سفید بہتر ہے۔ اور کبریت احمر اور پیل سفید بے جوڑ ہے، جیسے امیر خسرو کی انملیاں۔

ایک قاعدہ اور عرض کرتا ہوں۔ ''کم'' کا لفظ اہل فارسی کے منطق میں کہیں افادہ معنی سلب کلی بھی کرتا ہے۔ جیسے کم آزار یعنی، نیازارندہ۔ نہ یہ کہ کم آزارندہ، کم ہمتا بے ہمتا ''بلکہ'' اندک کا لفظ بھی اس طرح آتا ہے۔ جیسا کہ میر اخداوند نعمت نظامیؒ فرماتا ہے:

پس و پیش چوں آفتابم یکے ست
فرد غم فراداں فریب اند کے ست

یعنی فریب بالکل نہیں۔ نہ یہ کہ کچھ ہے۔ کمیاب اور نایاب ایک چیز ہے۔ نظامی نے لعل سپید کہا ہے۔ کس صاحب طبع نے اس کو غلط سمجھ کر پیل سپید بنا دیا

ہے۔ انگبین۔ وشہد ناب، شاید مثل غم واندوہ ومسرت وفرحت ہو یا نہ ہو شیر ناب ہی ہو۔ بلکہ شیر ناب بہتر ہے۔ لیکن حرص وآز تو کسی طرح درست نہیں۔ عارف کا دعوی ناقص اور لغو رہا جاتا ہے۔ اگر یہ قباحت لازم نہ آتی تو بھی ہم حرص وآز کو مسلم نہ رکھتے۔ کس واسطے کہ غلام کا شبہ بکمال وضوح غم واندوہ وعدل وداد کا نظیر

۱؎ محمد حسین تبریزی ثم دکنی متوفی ۱۰۶۲ھ، ۱۶۵۲ء

نہیں ہوسکتا، ہاں انگبین وشہد کے جواز میں ہم مضائقہ نہ کریں گے۔ مگر شیر ناب کو اس سے اچھا سمجھیں گے۔ شہد میوے کی حلاوت کے واسطے اور شیر افزائش لطافت کے واسطے[۱]۔ ''حاشا'' و'' حاش اللہ'' کا جواب آغاز تحریر میں لکھ چکا۔ آپ کی اس نظیر لکھنے سے اس کے جواز پر میرا یقین نہ بڑھا۔ لوکشف الغطاء لما ازددت یقیناً۔

نثر مرجز کے باب میں پیر ومرشد کو اتنا تامل کیوں ہے؟ یہ جو نثر میں آپ نے لکھی ہیں سوائے اس نثر کے کہ جس کو آگے لکھوں گا۔ یہ تو سب مسجع۔ یعنی پہلے فقرے کا ہر لفظ وزن میں موافق ہے دوسرے فقرے کے لفظ سے۔ نظم میں یہ صنعت آپڑے تو نظم کو۔ مرصع کہیں گے اور نثر میں واقع ہو تو نثر کو، مسجع کہیں گے۔ جو حضرت کہ اس نثر کو مرجز کہتے ہیں۔ وہ نثر مسجع کی مثال ہم کو دیں۔ زنہار زنہار یہ نثر ''مرجز'' نہیں۔ مسجع ہے۔ ہاں یہ نثر مرجز ہے۔

''صاحبا مشفقا شفیق دلی۔ زید الطافکم الی الابد۔ بعد تبلیغ بندگی و نیاز، بر ضمیر منیر روشن باد۔''

اگر وہ نثر کہ جس کو میں نے مسجع کہا ہے، مرجز ہے تو اس کمبخت نثر کا کیا کام

ہے؟نہیں وہ مسجع ہے۔اور یہ مرجز ہے۔الفاظ وفقرتین وزن میں برابر ہوں،وہ مسجع ،اس صنعت کو بیشتر نثر مقفی میں صرف کرتے ہیں اور چاہو قافیہ کا التزام نہ کرو۔ بہ ہر رنگ اقسام ثلاثہ نثر یہی ہے۔حضرت نے نثر مسجع کو مرجز کہا ہے۔جواب دہی ہے کہ اگر مرجز یہ ہے تو مسجع کس نثر کو کہتے ہیں۔اس سے زیادہ نہ مجھ کو علم، نہ یارائے کلام۔

قتیل لکھنوی اور غیاث الدین ملا سے مکتبی رام پوری کی قسمت کہاں سے لاؤں کہ تم جیسا شخص میرا معتقد ہو اور میرے قول کو معتمد سمجھے؟

بعد اتمام خط کی تحریر کے،خیال آیا کہ شاید کسی بات کا جواب رہ نہ گیا ہو۔ میں نے آپ کے خط کو دیکھا اور ایک بات دستور شگرف کی عبارت میں نظر آئی۔

مرجز کلامیست منشور کہ وزن دارد، سجع ندارد۔''

اس تعریف کو دیکھیے اور نمونہ نثر کو دیکھیے۔وہ موزوں کہاں ہے جو، وزن دارد، اس پر صادق آئے۔وزن بمعنی تقطیع شعر مفقود ہے۔سجع ندارد خدا جانے یہ بزرگ سجع کس کو کہتا ہے۔سجع ہم وزن ہوتا دو لفظوں کا فقرتین میں یا مصرعیب میں،سو اس نثر میں موجود ہے۔موجود کہ مفقود اور مفقود کو موجود لکھا ہے۔اور پھر کلام اس کا مقبول ہے۔!

اللہ اللہ ملا غیاث الدین لکھتا ہے:

''مرجز نثرے باشد کہ کلمات فقرتین اکثر جا ہا ہم وزن باشد، در تقابل یک دیگر، بدون رعایت سجع۔''

ا شیفتہ نے گلشن بے خار، میں مرزا غالب کے متعلق لکھا ہے۔مضامین شعری را کما

ہو حقہ مے فہمد و بہ جمیع نکات و لطائف پے مے بردو اس فضیلتے است کو مخصوص بعض اہل سخن است، اس فضیلت کی سیکڑوں مثالوں میں سے ایک مثال یہ بھی ہے کہ ہر لفظ کے استعمال کی حقیقت و حیثیت پر گہری نظر ہے۔

خدا کے واسطے سجع تو اسی کو کہتے ہیں کہ کلمات فقرتین یا مصرعین ہم وزن سے یک دیگر ہوں۔ سو اس نثر میں موجود، بدون رعایت سجع کے کیا معنی، مگر یہ دونوں صاحب وزن کو برابر ہونا کلمات کا سمجھتے ہیں اور سجع تقطیع شعر کو کہتے ہیں۔ اس عقیدے کی رکاکت اظہر من الشمس ہے۔ صاحب، دستور شگرف، کا کلام نص اور مولوی غیاث الدین کا کلام حدیث نہیں ہے۔ آپ بھی غور فرمائیے اور انصاف کیجئے۔

فروری ۱۸۵۹ء

(۹)

شفیق مکرم مظہر لطف وکرم جناب چودھری صاحب کی خدمت میں بعد سلام یہ عرض کرتا ہوں۔ کہ آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ میرا رنج وتشویش مٹایا۔ میری خدمت مقبول ہوئی۔ میرا مداد علی شاہ کو میری دعا کہنا۔ ان کا باپ میرا بڑا یا تھا۔ میری طرف سے خاطر جمع کر دیجئے گا۔ اب سبیل اچھی نکل آئی۔ چودھری صاحب کے ذریعہ سے جو کچھ مجھ کو بھیجنا ہو گا بھجواؤں گا۔

جناب چودھری صاحب آج کا میرا خط کاسہ گدائی ہے۔ یعنی تم سے کچھ مانگتا ہوں۔ تفصیل یہ کہ محمد باقر دہلوی کے مطبع سے ایک اخبار ہر مہینے میں چار بار نکلا کرتا تھا۔ مسمی بہ دہلی اردو اخبار بعض اشخاص سنین ماضیہ کے اخبار جمع کر رکھا کرتے ہیں۔ اگر احیانا آپ کے یا کسی آپ کے دوست کے ہاں جمع ہوتے چلے آئے ہوں تو اکتوبر ۱۸۳۷ء سے دو چار مہینے کے آگے پیچھے کے اوراق دیکھے جائیں۔ جس میں بہادر شاہ کی تخت نشینی کا ذکر اور میاں ذوق کے دو سکے ان کے نام کے کہہ کر نذر کرنے کا ذکر مندرج ہو۔ بے تکلف وہ اخبار چھاپے کا اصل بجنسہ میرے پاس بھیج دیکھے۔ آپ کو معلوم رہے کہ اکتوبر کی ساتویں آٹھویں تاریخ ۱۸۳۷ء میں یہ تخت پر بیٹھے ہیں اور ذوق نے اس مہینے کے بعد سکے کہہ کر گزارنے ہیں۔ احتیاطا پانچ مہینے تک کے اخبار دیکھ لیے جائیں۔ یہاں تک میری طرف سے ابرام ہے کہ ابرام کہ اگر بمثل کسی اور شہر میں کوئی آپ کا دوست جامع ہو اور آپ کو اس پر علم ہو تو وہاں سے منگوا بھیجے۔ والسلام مع الاکرام۔

۱۸۵۹ء

(۱۰)

شفیق میرے، عنایت فرما میرے۔

تمہاری مہربانی کا شکر بجالاتا ہوں۔ نہایت سعی یہ تھی کہ آپ کیطرف سے ظہور میں آئی۔ میں نے مہتمم مطبع، جام جہاں نما کو لکھ بھیجا ہے اور ترک سعی کیا ہے۔ آپ بھی فکر نہ کیجئے۔ اگر کہیں سے آپ کے پاس آ جائے تو مجھ کو بھیج دیجیے۔ میرے پاس آئے گا تو میں تم کو اطلاع دے دونگا۔

عنایت الٰہی کا کون شخص مشتاق نہ ہوگا؟ اس کی پرسش زائد۔ میں خدمت گزاری کو حاضر ہوں۔ وہ جب چاہیں اپنا کلام بھیج دیں۔ میرا سلام اور یہ پیام کہہ دیجئے گا۔

۱؎ آگے سے مراد ہے بعد کے۔

صاحب تم نے ہمارے پیر و مرشد کو ہم پر خفا کر دیا ہے۔ بھلا وہ خط لکھیں۔ نہ لکھیں، کبھی تم کو فرما دیں کہ غالب کو میری دعا لکھ بھیجنا۔ بہ ہر حال میرا سلام نیاز عرض کیجئے اور ان کے مزاج مبارک کی خیر و عافیت لکھیے اور یہ لکھیے کہ اگر خدانخواستہ وہ مجھ سے ناخوش ہیں تو ناخوشی کی وجہ کیا ہے۔ اپنے چچا صاحب کی خدمت میں سلام پہنچایئے گا اور مولانا عطا کو سلام شوق کہیے گا۔

۱۸۵۹ء

(۱۱)

میرے مشفق کو میرا سلام پہنچے ۔ دونوں مخمس بعد اصلاح پہنچتے ہیں۔ منشا اصلاح سمجھ لیجیے۔ سید عالی نسب سرور والا حسبی یہ افتتاح کلام اور ابتدائے خطاب کے درخور نہ تھا۔ مصرعہ ثالث اس کی جگہ رکھ دیا گیا۔ دوسرے بند کی تخمیس دو طرح پر ہے۔ دونوں بے عیب ہیں اور مزید لطف کسی میں نہیں۔ جن مصرعوں کو چاہو رہنے دو۔

گزشت از فلاک و زافلاک گزشت، ایک فارسی رہا اور دوسرا ہندی، حضرت نے دونوں فارسی لکھے تھے۔

ندامت فعل پر مترتب ہوا کرتی ہے۔ ترجمہ اس کا پشیمانی، حضرت یوسف کو ندامت کیوں ہو؟ مگر خجالت، اس کا ترجمہ ہے شرمندگی۔ آپ غور کیجئے کہ ندامت اور خجالت میں کتنا فرق ہے۔ جہاں آپ نے عرق ریز ندامت لکھا، وہ محل خجالت کا تھا۔ آپ نے ندامت کیوں لکھا؟ بہ ہر حال وہ مصرع تو بدل گیا لیکن اطلاع ضرور تھی۔

''طرح'' بفتح اول وسکون ثانی بمعنی فریب ہے اور تصویر کے خاکے کو بھی کہتے ہیں اور بمعنی آسائش دنیا بھی مجاز ہے۔ مرادف طرز و وش بھی ہے۔ بفتحتین۔ اس کا تفرقہ منظور رہا کرے۔ نسیم تخلص اچھا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ نسیم مونث ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جرات اور وحشت اور ایسے بہت تخلص ہیں کہ وہ مونث ہیں۔ بااینہمہ اگر بدلا چاہیے تو اس کا ہم وزن سلام و سلیم اور خیال بھی ہے۔ اس میں سے

جو پسند آئے۔

آپ کے عم عالی مقدر اور آپ کے بزرگ آموزگار کو میرا سلام پہنچے۔

یہاں سے روے سخن حضرت پیر و مرشد صاحب عالم کی طرف ہے۔ پیر و مرشد کی خدمت میں سلام اور مرشد زادوں کی جناب میں دعاے طول عمر و دعاے دولت پہنچا کہ یہ عرض کرتا ہوں کہ واقعی شاہ عالم کا عنایت نامہ آیا تھا۔ اور میں اس کا جواب بھیج چکا ہوں۔ عجب ہے کہ حضرت کی تحریر میں جہاں ان کے خط کا ذکر تھا۔ وہاں میرے خط کا مذکور نہ تھا اور ان سطور کی تحریر کے بعد اپنے خط کا پہنچنا گمان نہیں کر سکتا۔ میں اس میں انکو یہاں کا حال لکھ چکا ہوں۔

پنج آہنگ، آپ نے لی، دیوان فارسی آپ کے پاس ہے، مگر یوں سمجھیے کہ یہ دونوں نا تمام ہیں اور اب کہیں سے اس کا اتمام ممکن نہیں۔ خیر جو کچھ ہے غنیمت ہے۔ دستنبو نے نذر کی ہے۔ مہر نیم روز معلوم نہیں آپ کے پاس ہے یا نہیں۔ خلاصہ یہ کہ شعر کو مجھ سے اور مجھ کو شعر سے ہرگز نسبت ناقی نہیں رہی۔ اس فتنہ و فساد کے بعد ایک قصیدہ جو دستنبو میں ہے اور ایک قصیدہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کی مدح میں اور دو بیت کا ایک قطعہ اور ایک رباعی اس نظم کے سوا اگر کچھ لکھا ہو تو مجھ سے قسم لیجئے۔ قطعہ:

به آدم زن به شیطاں طوق لعنت
سپر دند از ره تکریم و تذلیل
و لیکن در اسیری طوق آدم
گراں تر آمد از طوق عزازیل

رباعی:

دنیا ہیچ است و شادی و غم ہیچ است
ہنگامہ شور و بزم ماتم ہیچ است
رو دل بہ یکے وہ کہ دو عالم ہیچ است
ایں نیز فرد گزار کایں ہم ہیچ است

اس واماندگی کے دنوں میں چھاپے کی برہان قاطع میرے پاس تھی۔ اس کو میں دیکھا کرتا تھا۔ ہزار ہا لغت غلط ہزار ہا بیان لغو، عبارت پوچ، اشارات پاور ہوا۔ میں نے سو دو سو لغت کے اغلاط لکھ کر ایک مجموعہ بنایا ہے۔ اور قاطع برہان اس کا نام رکھا ہے۔ چھپوانے کا مقدور نہ تھا۔ مسودہ کاتب سے صاف کروالیا ہے۔ اگر کہو تو بہ سبیل مستعار بھیج دوں۔ تم اور چودھری صاحب اور جو اور سخن شناس او رمنصف ہوں۔ وہ اس کو دیکھیں اور پھر میری کتاب میرے پاس پہنچ جائے۔

۱۸۵۹ء

(۱۲)

جناب عالی۔ چہا چہا ترجمہ ہندی ہے۔ ایک بار چہا کنایت کرتا ہے۔ انواع انواع ہماری آپ کی بول چال میں ہے، لیکن تحریر میں درست نہیں۔ چمن پر فضا کو چمن پرفزا زاے ہوز سے کیوں لکھا؟ خطاب واحد غائب فقط شین ہے نہ اش ہاں اگر آخر لفظ مبنی ہاے انتہائی حرکت پر ہو، مثل غمزدہ چشمہ و خانہ و دانہ تو اس کو یوں لکھتے ہیں، چشمہ اش، غمزاہ اش، خانہ اش، دانہ اش، اور باقی اور سب کا حرف آخر شین سے ملا جاتا ہے۔ خطاب واحد حاضر، خطاب واحد غائب، خطاب متکلم۔ ت ش، م الف کو یہاں کیا دخل، اور وہ جو دکھنی بوہرہ یعنی جامع، برہان قاطع ات اش ام لکھتا ہے غلط کرتا ہے۔ جہاں تم نے بعد اپنے نام کے یہ اشعار لکھے ہیں:

پریشان ترز خویشم داستا نے است

وہاں ربط کلام جاتا رہا تھا۔ ایک جملہ فاضل کر دیا ہے۔ یعنی بدیں اشعار زمزمہ سراست یہ خبر اس کاف توصیفی کی ہے اور آگے جو نثر ہے اس کی فاعل وہی مصنف ہے۔

پیر و مرشد، صاحب عالم صاحب کی خدمت عالی میں میرا سلام مسنون عرض کیجئے گا۔ اور یہ عرض کیجئے گا کہ آپ کے منشور عطوفت کا جواب بالنفراد آپ کی خدمت میں پہنچے گا۔

میرے شفیق دل کو میرا سلام پہنچے۔ کل انشا کا پارسل پہنچا اور آج خط، انشاء کا نام بہارستان اور آپ کا تخلص سرور اچھا نام ہے قطعہ کا وعدہ نہیں کرتا۔ کس واسطے اگر بے وعدہ پہنچ جائے گا۔ تو لطف زیادہ دیگا اور نہ پہنچے گا تو محل شکایت نہ ہوگا۔

رفع فتنہ و فساد اور بلاد میں مسلم یہاں کوئی طرح آسایش کی نہیں ہے۔ اہل دہلی عموماً برے ٹھہر گئے یہ داغ ان کی جبیں حال سے مٹ نہیں سکتا۔ میں اموات میں ہوں۔ مردہ شعر کیا کہے گا۔ غزل کا ڈھنگ بھول گیا۔ معشوق کس کو قرار دوں جو غزل کی روش ضمیر میں آوے۔ رہا قصیدہ، ممدوح کون ہے؟ ہائے انوری گویا میری زبان سے کہتا ہے۔

اے دریغا نیست ممدوحے سزا وار مدیح
اے دریغا نیست معشوقے سزا وار غزل

گورنمنٹ کے دربار میں ہمیشہ سے میری طرف سے قصیدہ نذر گزرتا ہے۔ اشرفیاں نہیں اور خلعت ریاست و درمانی کا سات پارچہ اور تین رقم جیغہ و سرپیچ و مالائے مروارید، مجھ کو ملا کرتا ہے۔ اب نواب گورنر جنرل بہادر یہاں آتے ہیں۔ دربار میں بلائے جانے کی توقع نہیں، پھر کس دل سے قصیدہ لکھوں؟ صناعت شعر اعضاء جوارح کا کام نہیں، دل چاہیے۔ دماغ چاہیے ذوق چاہیے امنگ چاہیے۔ یہ سامان کہاں سے لاؤں۔ جو شعر کہوں؟ چونسٹھ برس کی عمر، ولولہ شباب کہاں؟ رعایت فن، اس کے اسباب کہاں؟ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

میرے شفیق دلی چودھری عبدالغفور صاحب کو خدا سلامت رکھے۔ دیکھو میرے حواس کا اب یہ عالم ہے کہ تمہارے نام کی جگہ تمہارے چچا صاحب کا نام تھا۔ اسی طرح سابق کے خط سرنامے پر یہ لکھ گیا ہوں گا:

بہار پیشہ جوانے کا غالبش نامند
کنوں بہ بیں کہ چو خوں مے چکد زہر نفسش

جو خط آپ کے خطوط کے جواب میں آئے۔ انکے بھیجنے کی کیا حاجت تھی!۔ آپ کی سعی اور اپنی ناکامی پہلے سے میرے دل نشین اور خاطر نشان ہے۔ جیسا کہ کوئی استاد کہتا ہے:

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

وہ اخبار نہ کہیں سے ہاتھ آیا اور نہ آئے گا۔ میں اپنے خدا سے امیدوار ہوں کہ میرا کام بغیر اس کے نکل جائے گا۔ بندہ پرور، میرا کلام کاے نظم کیا نثر، کیا اردو کیا فارسی کبھی کسی عید میں میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کا التزام تھا کہ وہ مسودات مجھ سے لے کر جمع کرلیا کرتے تھے۔ سو ان کے لاکھوں روپ کے گھر لٹ گئے۔ جس میں ہزاروں روپے کے کتاب خانے بھی گئے۔ اس میں وہ مجموعہ ہاے پریشان بھی غارت ہوئے۔ میں خود اس مثنوی کے واسطے خون در جگر ہوں۔ ہائے کیا چیز تھی پارسل میں خطوط بھیجنے

محل اندیشہ ہے ۔ خدا نے بچایا۔ چونکہ اب وہ خط آپ کے کچھ کام کے نہ سمجھا۔ ازراہ احتیاط پارسل میں سے نکال لیے ۔

۱؎ اس سے واضح ہے کہ غالب کی فرمائش کے مطابق سرور نے ، اردو اخبار دہلی کے اس نمبر کے لیے جگہ جگہ سعی کی تھی ۔ سرور کو اخبار نہ مل سکا اور غالب کو اپنی سعی کا پورا یقین دلانے کیلیے اس نے وہ تمام خطوط بھیج دیے تھے ۔ جو طلب اخبار کے جواب میں اسے موصول ہوئے تھے ۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱۵)

جناب عالی،

آپ کا تفقد نامہ مرقومہ یازدہم شعبان (۱۲۷۶ھ) مطابق پنجم مارچ (۱۸۶۰ء) بقید روز دوشنبہ پہنچا۔ پہلے تو ان تاریخوں کے حساب سے تطابق میں میں الجھا۔ پھر خط کے پہنچنے سے بہت خوش ہوا۔ ڈاک کیا ہے۔ خاک ہے، خیر ادھر پڑھا ادھر جواب لکھا۔ خدا کرے یہ میرا خط جلد پہنچے۔ ورنہ یہ آپ کو خیال ہوگا کہ غالب نے ہمارے خط کا جواب نہ لکھا۔۔

حقیقت میری مجمل یہ ہے کہ راہ رسم مراسلت حکام عالی مقام سے بدستور جاری ہوگئی ہے۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کو نسخہ دستنبو، بسبیل ڈاک بھیجا تھا۔ انکا خط فارسی مشعر تحسین عبارت و قبول صدق ارادت و مودت بسبیل ڈاک آ گیا۔ پھر قصیدہ بہاریہ تہنیت و مدحت میں بھیجا تھا۔ اس کی رسید آ گئی۔ وہی خان بہادر قلمرو پنجاب کی مدح میں بتوسط صاحب کمشنر بہادر دہلی گیا۔ اسکے جواب میں بھی خوشنودی نامہ بہ توسط کمشنر بہادر مجھ کو آ گیا۔ پنشن ابھی تک مجھ کو نہیں ملی۔ جب ملے گی حضرت کو اطلاع دی جائے گی۔

پیر و مرشد عالم ہیں اور میں جاہل ہوں۔ ان کے تسلیم نہ کرنے کو میں نے تسلیم نہ کیا اور پھر تسلیم بجا لایا۔ اے حضرت جناب مخدوم مکرم چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں انھیں الفاظ میں رسم مبارکباد ادا کی گئی تھی۔ نہ عبارت آرائی۔ نہ طبع آزمائی، کچھ عجب نہیں کہ وہ خط بھی مئی اور جون میں آپ کو پہنچ

جائے۔ آپ کا بھی تو مارچ کا خط مجھ کو اب آخر اپریل میں پہنچا ہے۔

جناب شیخ صاحب کیوں مجھ کو محجوب کرتے ہیں؟ اس باب میں سے زیادہ عرض نہیں کر سکتا کہ افادہ مشترک ہے۔ قصیدہ و مثنوی بھیج دیجئے۔ لطف اٹھاؤں گا اور جو کچھ میرے خیال میں آئے گا۔ بے تکلف عرض کروں گا۔ میرا سلام کہیے اور مثنوی اور قصیدہ ان سے لے کر بھیج دیجیے۔

اپنے عم عالی مقدار کی خدمت میں میرا سلام پہنچائیے اور کہیے کہ حضرت خلاصہ مکتوب سابق یہ ہے۔ الفاظ یہی تھے۔ شاید کچھ تغیر بالمعرداف[1] ہو۔ تو ہو۔ یہ شادی بصد ہزار مسرت آپ کو مبارک ہو۔ اوان کی اولاد دیکھنی اور اسی طرح ان کی شادی کرنی نصیب ہو۔ فیض علی خاں صاحب کو میرا سلام پہنچے۔ میں بھی آپ کی ملاقات کا مشتاق اور آپ کا مداح ہوں گا۔ خط کا لفافہ اس خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ یہ آج پہنچا اور آج ہی میں نے اس کا جواب لکھا۔ کاتب وہی ہے جو لفافہ ملفوفہ کا مکتوب الیہ ہے۔

(اپریل ۱۸۶۰ء)

---

[1] مراد یہ ہے کہ یا تو یہی الفاظ تھے یا ان کے ہم معنی الفاظ ہوں گے۔

(۱۶)

میرے مشفق، چودھری عبدلغفور صاحب اپنے خط اور قصیدہ بھیجنے کا مجھ کو شکر گزار اور قصیدہ سابق کی اب تک اصلاح نہ پانے سے شرمسار تصور فرمائیں اور ان دونوں قصیدوں کے باہم پہنچنے کا انتظار کریں۔

نوید وصل و یم مے وہد ستارہ شناس
نکروہ ژوف نگاہی مگردر اختر من

تحقیق کہ اب روے سخن جناب فیض نصاب، جامع مدارج جمع الجمع، بزم وحدت کے فروزندہ شمع، مستغرق مشاہدہ شاہد ذات، حضرت صاحب عالم صاحب قدسی صفات کی طرف ہے۔ اور یہ شعر افتتاح کلام ہے!

پہلے کچھ باتیں کہ بادی النظر میں خارج از مبحث معلوم ہوں گی۔ لکھی جاتی ہیں۔ میں پانچ برس کا تھا کہ میرا باپ مرا، نو برس کا تھا کہ چچا مرا۔ اس کی جاگیر کے عوض میری اور میرے شرکاء حقیقی کے واسطے، شامل جاگیر نواب احمد بخش خاں، دس ہزار روپے سال مقرر ہوئے۔ انھوں نے نہ دیے مگر تین ہزار روپے سال۔ اس میں سے خاص میری ذات کا حصہ ساڑھے سات سو روپے سال، میں نے سرکار انگریزی میں یہ غبن ظاہر کیا۔ کولبرک[۲] صاحب بہادر رزیڈنٹ دہلی اور استرلنگ[۳] صاحب بہادر سکرتر گورنمنٹ کلکتہ متفق ہوئے میرا حق دلانے پر۔ رزیڈنٹ معزول ہو گئے۔ سکرتر گورنمنٹ بمرگ ناگاہ مر گئے۔

بعد ایک زمانے کے بادشاہ دہلی نے پچاس روپے مہینا مقرر کیا۔ انکے ولیعہد[۴]

نے چار سو روپے سال ولیعہد اس تقرر کے دو برس بعد مر گئے۔

واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی سرکار سے بہ صلہ مدح گستری پانسو روپے سال مقرر ہوئے۔ وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ جیے۔ یعنی اگرچہ اب تک جیتے ہیں۔ مگر سلطنت جاتی رہی اور تباہی سلطنت دو ہی برس میں ہوئی۔ دلی کی سلطنت کچھ سخت جان تھی۔ سات برس مجھ کو روٹی دیکر بگڑی۔ ایسے طالع مربی کش اور محسن سوز کہاں پیدا ہوتے ہیں؟ اب مے جو والی دکن کیطرف رجوع کروں۔ یاد رہے کہ متوسط مر جائیگا یا معزول ہو جائیگا اور اگر یہ دونوں امر واقع نہ ہوئے تو کوشش اس کی ضائع ہو جائے گی اور والی شہر مجھ کو کچھ نہ دے گا اور احیانا اس نے سلوک کیا تو ریاست خاک میں مل جائیگی۔

اردو شعر جو اوپر نقل ہوا ہے۔ یعنی:

نوید وصل و یم مے دہد ستارہ شناس
نگر وہ ژرف نگاہی۔ مگر دراختر من

۲ کولبرک ۱۸۲۷ء سے ۱۸۲۹ء تک ریذیڈنٹ رہا۔ پھر غالبا رشوت ستانی کی بنا پر الگ ہو گیا۔ ۳ اسٹرلنگ ۱۸۱۳ء میں ہندوستان آیا۔ فارسی کا بڑا اچھا ذوق رکھتا تھا۔ حکومت ہند میں معزز عہدوں پر ممتاز رہا۔ ۱۸۳۰ء میں ۳۵۔ ۳۶ برس کی عمر میں وفات پائی۔ کلیات غالب (فارسی) میں اس کی مدح میں ایک قصیدہ اور وفات پر ایک قطعہ موجود ہے ۴ شہزادہ فتح الملک، شہزادہ غلام فخر الدین بہادر شہزادہ غلام فخر الدین عرف میرزا فخرو۔ بہادر شاہ کا ولی عہد، ۱۰۔ جولائی ۱۸۵۶ء کو وفات پائی۔ بیماری کی صورت ایسی تھی کہ بعض حلقوں میں زہر دیے جانے کا شبہ پیدا ہوا۔

اور ملک میں گدھے کے ہل پھر جائیں گے[1]۔ اے خداوند بندہ پرور، یہ سب باتیں وقوعی اور واقعی ہیں۔

اگر ان سے قطع نظر کر کے قصیدے کا قصد کروں۔ قصد تو کر سکتا ہوں۔ تمام کون کرے گا۔ سوائے ایک ملکہ کے کہ وہ پچاس پچپن برس کی مشق کا نتیجہ ہے۔ کوئی قوت باقی نہیں رہی، کبھی جو سابق کی اپنی نظم ونثر دیکھتا ہوں تو یہ جانتا ہوں کہ یہ تحریر میری ہے۔ مگر حیران رہتا ہوں کہ یہ نثر میں نے کیوں کر لکھی تھی۔ اور یہ شعر کیوں کر کہے تھے۔؟ عبدالقادر بیدل کا یہ مصرع گویا میری زبان سے ہے:

عالم ہمہ افسانہ ما وارد و ماہیچ

پایان عمر ہے۔ دل و دماغ جواب دے چکے ہیں۔ سو روپے رام پور کے۔ ساٹھ روپے پنسن کے روٹی کھانے کو بہت ہیں۔ گرانی اور ارزانی امور عامہ میں سے ہے۔ دنیا کے کام خوش و ناخوش چلے جاتے ہیں۔ قافلے کے قافلے آمادہ رحیل ہیں دیکھو منشی نبی بخش مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے۔ ماہ گزشتہ میں گزر گئے[2]۔ مجھ میں قصیدے کے لکھنے کی قوت کہاں؟ اگر ارادہ کروں تو فرصت کہاں؟ قصیدہ لکھوں۔ آپ کے پاس بھیجوں، آپ دکن کو بھیجیں۔ متوسط کب پیش کرنے کا موقع پائے؟ پیش کیے پر کیا پیش آئے۔ ان مراحل کے طے ہونے میں کیوں کر جیوں گا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ لا الہ الا اللہ ولا معبود الا اللہ ولا موجود الا اللہ۔ کان اللہ ولم یکن معہ شئی واللہ الان کما کان۔

(۱۸۶۰ء)

(۱۷)

جناب چودھری صاحب کو سلام پہنچے۔ آپ نے اپنے مزاج کی ناسازی کا کچھ حال نہ لکھا۔ اگر پیر و مرشد بھی نہ لکھتے تو میں کیوں کر اطلاع پاتا اور اگر اطلاع نہ پاتا تو حصول صحت کی دعا کیوں کر مانگتا۔ کل سے وقت خاص میں دعا مانگ رہا ہوں۔ یقین ہے کہ پہلے تم تندرست ہو جاؤ گے زاں بعد یہ خط پاؤ گے۔

اکثر صاحب اطراف و جوانب سے ماہ نیم ماہ بھیجنے کا حکم بھیجتے ہیں اور میں جی میں کہتا ہوں کہ جب مہر نیمروز، کی عبارت کو نہیں سمجھے تو ماہ نیم ماہ کو لے کر کیا کریں گے؟ صاحب! مہر نیمروز کے دیباچے میں میں نے لکھ دیا ہے کہ اس کتاب کا نام پرتو ستان ہے اور اس کی دو مجلد ہیں۔ پہلی جلد میں ابتدائے خلقت عالم سے ہمایوں کی سلطنت تک کا ذکر دوسرے حصے میں اکبر سے بہادر شاہ تک کی سلطنت کا بیان، پہلے حصے کا نام ''مہر نیمروز'' دوسرے حصے کا اسم، ماہ نیم ماہ بارے پہلا حصہ تمام ہوا۔ چھاپا گیا۔ قصہ تھا جلال الدین اکبر کے حالات کے لکھنے کا کہ امیر تمر تک کا

۱؎ ظاہر ہے کہ مخاطب نے میرزا کے لیے حیدرآباد میں کوشش کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ۲؎ منشی نبی بخش حقیر کے انتقال کا سال معلوم ہے۔ یعنی ۱۲۷۷ھ، غالب نے ان کی تاریخ کہی تھی:

گفت مدہ طول و بگو رستخیز''

اس سے ظاہر ہے کہ یہ خط ۱۸۶۰ء کا ہے

نام ونشان مٹ گیا۔ آں دفتر را گاؤ خوردو گاؤ را قصاب بردو قصاب درراہ مرد، جو کتاب میں نے لکھی ہی نہ ہو بھیجوں کہاں سے؟

پیرومرشد کو میری بندگی اور صاحبزادیوں کو دعا۔ خداوند مجھے مارہرہ بلاتے ہیں اور میرا قصد مجھے یاد دلاتے ہیں۔ ان دنوں کہ دل بھی تھا اور طاقت بھی تھی۔ شیخ محسن الدین مرحوم سے بطریق تمنا کہا گیا کہ جی یوں چاہتا ہے کہ برسات میں مارہرہ جاؤں اور دل کھول کر اور پیٹ بھر کر آم کھاؤں اب وہ دل کہاں سے لاؤں۔ طاقت کہاں سے پاؤں؟ نہ آموں کی طرف رغبت، نہ معدے میں اتنے آموں کی گنجائش، نہار منہ میں آم نہ کھاتا تھا۔ کھانے کے بعد میں آم نہ کھاتا تھا۔ رات کو کچھ کھاتا ہی نہیں۔ جو کہوں بین الطعامین، ہاں آخر روز بعد ہضم معدی آم کھانے بیٹھ جاتا تھا۔ بے تکلف عرض کرتا ہوں۔ اتنے آم کھاتا تھا کہ پیٹ بھر جاتا تھا اور دم پیٹ میں نہ سماتا تھا۔ اب بھی اسی وقت کھاتا ہوں مگر دس بارہ اگر پیوندی آم بڑے ہوئے تو پانچ سات۔

دریغا کہ عہد جوانی گزشت
جوانی مگو، زندگانی گزشت

اب اس کے واسطے کیا سفر کروں؟ مگر حضرت کا دیکھنا۔ اس کے واسطے متحمل رنج سفر ہوں تو جاڑے میں، نہ برسات میں:

اے وائے ز محرومی دیدار دگر ہیچ

میرے مشفق،

آپ کا خط آیا اور اسکے آنے نے تمہاری رنجش کا وسوسہ میرے دل سے مٹایا۔ ایک قاعدہ آپ کو بتاتا ہوں اگر اسکو منظور کیجئے تو خطوط کے پہنچنے کا احتمال اٹھ جائے گا اور رجسٹری کا دردسر جاتا رہے گا۔ آدھ آنہ نہ سہی، ایک آنہ سہی۔ آپ بھی خط بیرنگ بھیجا کیجئے اور میں بھی بیرنگ بھیجا کروں۔ یہ خطوط تلف بھی ہوتے ہیں۔اس قاعدے کا جیسا کہ میں واضع ہوا ہوں۔ بادی بھی ہوا اور یہ خط بیرنگ بھیجا[1]۔

پنسن جاری ہوگیا۔ تین برس کا چڑھا ہوا روپیہ مل گیا۔ بعد ادائے قرض ستاسی روپے گیارہ آنے بچے۔ اب ماہ بماہ روپیہ ملتا ہے، مگر یہی تین مہینے ستمبر، اکتوبر، نومبر ملیں گے۔ دسمبر ۱۸۶۰ء سے تنخواہ ششماہی ہوجائے گی۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ چار روپے سیکڑہ سالانہ عموماً وضع ہوا کرے گا۔ اس حساب سے میرے حصے میں ڈھائی روپیہ مہینا آیا۔ ساڑھے باسٹھ رہیں گے۔ کچھ رام پور سے ماہ بماہ آتا ہے۔ یہ دونوں آمدنیں مل کر خوش و ناخوش گزارا ہوجاتا ہے۔

یہاں شہر ڈھے رہا ہے۔ بڑے بڑے نامی بازار، خاص بازار اور اردو بازار اور خانم کا بازار کہ ہر ایک بجائے خود

---

[1] لیکن اس سے پہلے خودسرور کے کہنے پر ایک خط بیرنگ بھیجا تھا۔

ایک قصبہ تھا۔ اب پتا بھی نہیں کہ کہاں تھے۔ صاحبان امکنہ وہ کا کیں نہیں بتا سکتے کہ ہمارا مکان کہاں تھا اور دکان کہاں تھی برسات بھر مینہ نہیں برسا۔ اب تیشہ

اور کلند کی طغیانی سے مکان گر گئے۔ غلہ گراں ہے۔ موت ارزاں ہے۔ میوہ کے مول اناج بکتا ہے۔ ماش کی دال آٹھ سیر، باجرہ سولہ سیر، گیہوں بارہ سیر، چنے سولہ سیر گھی ڈیڑھ سیر، ترکاری مہنگی۔ اب سب باتوں سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ کنوار کا مہینا جسے باڑے کا دوار کہتے ہیں۔ پانی گرم، دھوپ تیز، لو چلتی ہے۔ جیٹھ ساڑھ کی سی گرمی پڑتی ہے۔

حضرت رفعت درجت جناب صاحب عالم کی خدمت میں دوستانہ سلام اور مریدانہ بندگی بہ انکسار تمام عرض کرتا ہوں۔ حضرت کو کس راہ سے میرے آنے کا انتظار ہے؟ میں نے مرشد زادے کے خط میں کب اپنا عزم لکھا؟ کس نے آپ سے میری زبانی کہا کہ آپ روز روانگی کے تقرر سے اطلاع چاہتے ہیں؟ ہاں آپ کی قدمبوسی کی تمنا اور انورالدولہ کے دیدار کی آرزو حد سے زیادہ ہے اور ایسا جانتا ہوں کہ یہ آرزو گور میں لے جاؤں گا۔ تنخواہ کے اجراء کا حال اور مستقبل میں اس کے وصول کی صورت ان سطروں سے جو آغاز مکتوب ہیں، چودھری سے جو آغاز مکتوب ہیں چودھری عبدالغفور صاحب کی خدمت میں لکھی گئی ہیں مع روداد شہر معلوم کر لیجئے گا۔

لالہ گوبند پرشاد صاحب ہنوز میرے پاس نہیں آئے۔ میں دنیا دار نہیں، فقیر خاکسار ہوں۔ تواضع میری خو ہے۔ انجاح مقاصد خلق میں حتی الوسع کمی کروں تو ایمان نصیب نہ ہو۔ ان شاءاللہ العزیز وہ فقیر سے راضی اور خوشنود رہیں گے۔

جناب مستطاب حضرت محمد امیر صاحب کی خدمت میں بعد سلام دنیا زیہ گزارش ہے کہ میرے پاس حضرت کا سلام و پیام اب کی بار بھی نہیں پہنچا۔ اب

ان سطور کو اپنا ذریعہ افتخار سمجھا اور نوید مقام مبارک سے بہت خوش ہوا۔ یہ خانہ کوچی اور گریز پائی اور بے اطمینانی کا آپ کو مجھ پر جو گمان ہے اور اس کا رنج ہے۔ یہ خلاف واقعہ کس نے آپ سے کہا؟ میں مع زن و فرزند، ہر وقت اسی شہر میں قلزم خوں کا شناور رہا ہوں۔ دروازے سے باہر قدم نہیں رکھا۔ نہ پکڑ گیا۔ نہ نکالا گیا۔ نہ قید ہوا۔ نہ مارا گیا۔ کیا عرض کروں کہ میرے خدا نے مجھ پر کیسی عنایت کی اور کیا نفس مطمئنہ بخشا۔ جان و مال و آبرو میں کسی طرح کا فرق نہیں آیا۔ تنخواہ جس کو حضرت نے یومیہ لقب دیا ہے۔ اس کا حال اوپر کی تحریر سے دریافت ہوگا۔ فقیر کو اپنا دوست اور معتقد اور مشتاق تصور فرماتے رہیے گا۔ مرشدزادہ مرتضوی دودمان، سید شاہ عالم کو سلام و دعا۔ ڈپٹی صاحب[1] سے مجھ سے ملاقات کثرت سے نہیں ہے۔ ان کو کثرت اشغال سے فرصت نہیں، مجھ کو افراط ضعف سے طاقت نہیں۔ اگر بحسب اتفاق کہیں ملاقات ہوگئی تو آپ کا سلام کہہ دوں گا۔ آپ اپنے اخوان عالی شان کو میرا سلام پہنچا دیجیے گا۔

''بندہ شاہ ثنائیم و ثنا خوانِ شما

ستمبر ۱۸۶۰ء

---

[1] مولانا سید مرتضیٰ حسین نے لکھا ہے کہ ان سے مراد ڈپٹی وزیر علی ہیں۔

(۱۹)

حضرت چودھری صاحب،عنایت نامہ سابق:

تھا تو خط پر نہ تھا جواب طلب

کوئی اس کا جواب کیا لکھتا

آج دوپہر کو یہ خط پہنچا۔آج ہی آخر روز جواب لکھ کر چھوڑتا ہوں ۔کل صبح بشرط حیات ڈاک میں بھجوادوں گا۔قاطع برہان ، کی مجلدات جو بموجب توقیع خریداری میری ملک ہیں،اول جولائی میں میرے پاس اوران میں سے دومجلد آخر جولائی میں آپ کے پاس پہنچیں گے۔ایک آپ رہنے دیں گے اور ایک پیرو مرشد کی نذر کریں گے۔ان شاءاللہ العلی العظیم۔

جندا فیض تعلق معجز کلکش نگر

گررود صد سالہ رہ پیش نظر باشد ہماں

یہ شعر مولانا نورالدین ظہوری رحمتہ اللہ علیہ کا ممدوح کی خوشنویسی کی تعریف میں ہے۔مبالغہ سرحد تبلیغ وغلو کو پہنچ گیا ہے۔خلاصہ یہ کہ اس کا لکھا ہوا قطعہ یا کوئی عبارت سو برس کی راہ پر سے آدمی کو نظر آتی ہے۔وجہ اس کی یہ کہ حرف بہت روشن ،صاف اورجلی ہیں اور چونکہ یہ امر بحسب عادت وعقل ممتنع ہے۔اس رو سے اس کو معجزہ قلم کہا اور چونکہ معجزہ خرق عادت ہے اورخرق عادت ایک امر ہے مسلمات جمہور میں سے پس منکر کو گنجائش انکار نہ رہی۔

یہاں یہ خیال آئے گا کہ فیض تعلق بے کار رہتا ہے۔میں کہتا ہوں کہ وہ حسن

الہام ہے۔یعنی نگاہ کوازنجا کہ باصرہ مشتاق حسن ہے۔اس خط سے وہ تعلق بہم پہنچا ہے کہ اگر وہ خط سو برس کی راہ پر ہوتو بھی نگاہ اس سے متعلق رہتی ہے۔جیسے طائر کو اپنا آشیانہ اور مسافر کو اپنا وطن اور عاشق کو معشوق کا خدو خال مسافت بعیدہ سے پیش نظر رہتا ہے۔چاہو ایک معلول کی دو علت سمجھو،فیض تعلق مذکور اور حسن خط مقدر، چاہو فیض تعلق کو ادعا کہو اور حسن خط جو تقدیر میں ہے اس کا سبب سمجھو تعلق کا اور موکد جانو ادہ دعا کا۔

سنو دعوے کے واسطے دلیل موضوع ہے۔ادعا کو دلیل ضرور نہیں ہے۔ہاں! دعا پر تاکید طریقہ بلاغت ہے۔یہ لطافت معنوی خاص اس بزرگ کے حصے میں آئی ہے۔میں جانتا ہوں مشتری اور عطارد نے مل کر ایک صورت پکڑی تھی۔ اس کا اسم نورالدین اور تخلص ظہوری تھا۔

اللہ اللہ فرماتا ہے:

مروت کرد شہباز بر تو سیر بام دور لازم
نے باشد چراغے خانہ ہاے بے نوایاں [1]

ظہوری کا ممدوح اور معشوق ایک ہے۔یعنی سلطان جلیل القدر ابراہیم عادل شاہ، پادشاہوں کے منظر بلند ہوتے ہیں اور کیا بعید ہے کہ رعایا۔ملازمین میں سے کچھ لوگ زیر قصر رہتے ہوں۔اس واسطے پادشاہ،دن کو اس منظر بلند پر نہیں چڑھتا کہ مبادا رعیت یا ملازموں کو جورو بیٹیاں نظر آئیں۔رات کو ان کے گھر تاریک ہوتے ہیں۔اگر کوئی بلند مکان پر چڑھا تو کچھ نظر نہ آئے گا۔

یہ مدح ہوئی عفت کی اور عفت ایک فضیلت ہے فضائل اربعہ میں سے۔اب

ابہام کو سوچیے ۔ممدوح نے راتوں کو کوٹھے پر چڑھنا اپنے اوپر لازم کیا ہے۔اس واسطے کہ رعایا کے گھروں میں چراغ نہیں، اگر کسی کپڑے میں پیوند لگانا یا کوئی چمڑے کی چیز گانٹھنی یا کسی مریض کا تفحص حال منظور ہو تو وہ گھر اس ممدوح کے پرتو جمال سے روشن ہو جائے ۔ چراغ کی حاجت باقی نہ رہے ۔ جو کام جو شخص چاہے وہ کرے۔مروت کے لفظ کا مزہ وجدانی ہے ۔سوائے اس لفظ کے کوئی لفظ یہاں کام نہیں آتا۔اگر حفظ ناموس رعایا ہے تو مروت ہے اور اگر مفلسوں کی کار برابری ہے تو مروت ہے۔قالب معنی کی جان ہے ظہوری ناطقہ کی سرفرازی کا نشان ہے ظہوری ،زیادہ کیا لکھوں؟

(جون ۱۸۶۲ء)

(۲۰)

جناب چودھری صاحب،

آپ کے تلطف نامہ کے ورود کی مسرت اور پارسل کے نہ پہنچنے کی حیرت، باعث اس کے ہوئی کہ آپ کو پھر تکلیف دوں اور با آنکہ خط جواب طلب نہ تھا۔ جواب لکھوں۔ بندہ پرور میں نے پارسل کی رسید لے لی تھی۔ اب آپ کے خط کو پڑھ کر کارپروز ازن ڈاک کے پاس وہ رسید بھجوائی۔، انھوں نے کتاب دیکھ کر میرے آدمی سے کہہ دیا کہ سکندرہ راؤ کی رسید یہ موجود ہے۔ اب پارسل کی جواب دہی وہاں والوں کے ذمہ ہے۔ یہ سن کر میں نے یہ مناسب جانا کہ رسید آپ کے پاس بھیج دوں۔ آپ سکندرراؤ کے ڈاک خانہ میں بھجوا کر ان سے پارسل منگوالیں اور اب اس رسید کا میری طرف راجع ہونا کسی صورت میں ضرور نہیں۔ والسلام

(۱۸۶۲ء)

(۲۱)

بندہ پرور،

بہت دن کے بعد پرسوں آپ کا خط آیا۔ سرنامہ پر دستخط اور کے اور نام آپ کا پایا۔ دستخط دیکھ کر مفہوم ہو، خط کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ تمہارے دشمن بعارضہ تپ ولرزہ نجور ہیں۔ اللہ اللہ ضعف کی یہ شدت کہ خط کے لکھنے سے معذور ہیں۔ خدا وہ دن دکھائے کہ تمہارا خط تمہارا وہ دستخطی آئے۔ سرنامہ دیکھ کر دل کو فرحت ہو۔ خط پڑھ کر دونی مسرت ہو۔ جب تک ایسا خط نہ آئے گا۔ دل سودازدہ آرام نہ پائے گا۔ قاصد ڈاک کی راہ دیکھتا رہوں گا۔ جناب ایزدی میں سرگرم دعا رہوں گا۔ آپ کے عم عالی مقدار اور بزرگ آموزگار کو میرا سلام مع صنوف اشتیاق والواف احترام۔

جناب چودھری صاحب، آؤ ہم تم حضرت صاحب عالم کے پاس چلیں۔ او راپنی آنکھیں انکے کف پائے مبارک سے ملیں۔ میں سلام عرض کروں گا۔ تم معرفت ہونا کہ غالب یہی ہے۔ اہل دہلی میں آپ کے دیدار کا طالب یہی ہے۔ میں نے عزم قدمبوسی کیا۔ پیرومرشد نے مجھے گلے لگا۔ فرماتے ہیں کہ، غالب تو اچھا ہے۔

عرض کرتا ہوں کہ الحمداللہ، حضرت کا مزاج مقدس کیسا ہے؟''

ارشاد ہوا کہ مولوی سید برکات حسن تیری بہت تعریف کرتے رہتے ہیں۔''

جناب یہ ان کی خوبیاں ہیں۔ میں ایسا نہیں ہوں جیسا وہ کہتے ہیں۔ کاش وہ

میری رنجوری کا حال کہتے ،ضعف قوی واضمحلال کہتے تا کہ میں ان کے کلام کی تصدیق کرتا۔ان کی غمخواری اور دردمند نوازی کا دم بھرتا:

ورکشاکش ضعفم نگذلد رواں از تن

اینکہ من نمے میرم ہم ز نا تو اینہا ست

حضرت نے میری گرفتاری کا نیا رنگ نکالا۔ بوستان خیال کے دیکھنے کا دانہ ڈالا۔مجھ میں اتنی طاقت پرواز کہاں کہ بلا سے اگر پھنس جاؤں۔دام پر گر کے دانہ زمین پر سے اٹھاؤں،حضرت سچ تو یوں ہے کہ غمہاے روزگار نے مجھ کو گھیر لیا ہے۔ سانس نہیں لے سکتا۔اتنا تنگ کر دیا ہے۔ہر بات سوطرح سے خیال میں آئی۔ پر دل نے کسی طرح تسلی نہ پائی۔اب دو باتیں سوچا ہوں۔ایک تو یہ کہ جب تک جیتا ہوں یوں ہی رویا کروں گا۔دوسری یہ کہ آخر ایک نہ ایک دن مروں گا۔یہ صغری و کبری دلنشین ہے۔نتیجہ کا تسکین ہے ہیہات:

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید

ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے

اے حضرت شاہ عالم صاحب میرا سلام لیجیے۔کاغذ باقی نہیں رہا۔اپنے سب بھائیوں کو مع میر وزیر علی صاحب میرا سلام کہہ دیجیے گا۔

۱۸۶۲ء

چودھری صاحب مشفق مکرم کو میرا سلام۔

آپ کا خط کہ سوائے چند سطر کے جو تم نے لکھی تھیں۔ سراسر حضرت صاحب کا دستخطی تھا۔ پہنچا۔ سبحان اللہ حضرت کو کس قدر محبت ہے تمہارے ساتھ، تمہاری ناسازی مزاج کا کیسا ملال اور تمہارے نہ دیکھنے کا کیسا رنج ہے۔ سچ یوں ہے کہ تم خوبان روزگار میں سے ہو۔ توقیع قبول اہل نظر کا حاصل ہونا آسان نہیں ہے۔ سلامت رہو، خوش رہو، مختصر،

کارت بجہاں جملہ چناں باد کہ خواہی

اب روے سخن حضرت صاحب کی طرف ہے۔ خدمت خدام مخدوم خادم نواز میں بعد تسلیم معروض ہے۔ تفقد نامہ نامی میں صورت عزو شرف نظر آئی۔ اللہ اللہ! تم نے میری نظر میں میری آبرو بڑھائی حضرت کی قدردانی کی کیا بات ہے۔ آپ کا التفات موجب مباہات ہے۔ یہ بات بطریق طنز لسان زبان پر آئی ہے۔ ورنہ قدردانی کیسی۔ یہ قدر افزائی ہے۔ نظیری علیہ الرحمتہ کا شعر ایک کاغذ پر لکھ کر میرے گلے میں ڈال دیجیے اور زمرہ شعرا میں سے مجھ کو نکال دیجئے۔ شعر یہ ہے:

جوہر بینش من درتہ زنگار بماند
آنکہ آئینہ من ساخت، نہ پرداخت دریغ

دعوی اور چیز ہے اور کمال اور ہے۔ علم عربی اور شے ہے اور فارسی کی حقیقت حال اور ہے جلا لالے طباطبائیؒ نے شیدائے ہندی کو ایک رقعہ لکھا۔ عبارت اس

وقت یاد نہیں آتی مگر یہ مضمون اس کا ایک دن مولانا عرفی علیہ الرحمتہ اور ابوالفضل میں مباحثہ ہوا۔ شیخ نے عرفی سے کہا کہ ہم نے تحقیق کو بسر حد افراط پہنچا دیا اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا۔ عرفی نے کہا کہ اس کو کے اکروگے ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، گھر کے بڈھوں سے اور بڈھیوں سے جو بات سنی، فارسی میں سنی، شیخ گفت ما فارسی از انوری و خاقانی فراگرافتہ ایم، وشما از پیر زناں آموختہ اید، عرفی فرمود، انوری و خاقانی نیز از پیر زناں آموختہ باشند، ختم

غالب کہتا ہے کہ ہندوستان کے سخنوروں میں حضرت امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمتہ کے سوا کوئی استاد مسلم الثبوت نہیں ہوا۔ خسرو کیخسر و قلمرو سخن طرازی ہے یا ہم چشم نظامی گنجوی و وہم طرح سعدی شیرازی ہے۔ خیر فیضی بھی نغز گوئی میں مشہور ہے، کلام اس کا پسندیدہ جمہور ہے[1]۔ دیکھو عبدالقادر بدایونی کیا لکھتا ہے۔ زہے[2] سپاہی فالیز (؟) آرزو، فقیر اور شیدا اور بہار وغیرھم انھیں میں آ گئے۔ ناصر علی اور بیدل اور نظیمت ان کی فارسی کیا؟ ہر ایک کا کلام بنظر انصاف دیکھیے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟

منت اور یکین اور واقف اور قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجیے۔ ان حضرات میں عالم علوم عربیہ کے شخص ہیں۔ خیر ہوں، فاضل کہلائیں، کلام میں ان کے مزا کہاں؟ ایرانیوں کی سی ادا کہاں؟ فارسی کی قاعدہ دانی میں اگر کلام ہے، اس میں پیروی قیاس ایک بلائے عام ہے۔ وارستہ[3] سیالکوٹی نے خان آرزو کی تحقیق پر سو جگہ اعتراض کیا ہے اور ہر اعتراض بجا ہے۔ بالبہمہ وہ بھی جہاں اپنے قیاس پر جاتا ہے، منہ کی کھاتا ہے۔ مولوی احسان اللہ ممتاز کو ضائع لفظی میں دستگاہ اچھی تھی

۔۔اس شیوہ روش کو خوب بہت گئے۔فارسی وہ کیا جانیں قاضی محمد صادق اختر[۲] عالم ہوں گے۔شاعری سے ان کو کیا علاقہ، ایک بات حضرت کو اور معلوم رہے کہ ہندی فارسی دانوں نے کمال کو وہم میں منحصر رکھا ہے۔

کالپی کے نواب زادوں میں سے ایک صاحب قتیل کے شاگرد تھے۔میں نے ایک رقعہ قتیل کا ان کا نام دیکھا ہے کہ قتیل ان کو دیکھتا ہے۔جامہ گزاشتن بہ معنی۔مردن مسلم، لیکن بہت احتیاط کیا کرو، موقع دیکھ لیا کرو، جب لکھا کرو۔میں کہتا ہوں کہ احتیاط کیا اور موقع کیا؟ فلاں مرد، بہماں جامہ گزاشت، پھر وہ کہتا ہے کہ کدہ کے ساتھ سوا سے پانچ سات لفظ کے اور لفظ کو ترکیب نہ دو۔پھر فرماتا ہے کہ ہمہ کے لفظ کو جمع کے ساتھ لاؤ، مفرد سے نہ ملاؤ۔

نقل، میں نے دستنبو، میں لکھا ہے کہ ہمہ کس واند۔" ایک شخص نے کہ وہ بھی مولوی کہلاتا ہے۔میری غیبت

---

[۱] ایک جگہ لکھتے ہیں۔

اگر معترض فیضی کو نہیں مانتا تو آپ معترض کو کیوں مانتے ہیں؟ فیضی کی سند مقبول او رمسموع قدر بلگرامی کے نام خط نمبر ۲۸ یہ عبارت سمجھ میں آئی [۳] شاگرد میر محمد علی علی رائج مصنف محمد علی رائج مصنف مسلحات الشعراء وفات ۱۱۸۰ھ [۲] بن قاضی محمد لعل، ساکن ہوگلی۔ملک الشعرا غازی الدین حیدر، مصنف تذکرہ۔آفتاب عالم تاب، صبح صادق، نور الانشاء دیوان فارسی وغیرہ، وفات ۱۸۵۸ء

میں کہا کہ ہمہ کس واند، کیا ترکیب ہے؟ ایک لڑکا میرا شاگرد وہاں موجود تھا۔اس نے کہا یہ ترکیب بعینہ صائب کی ہے، جیسا کہ وہ کہتا ہے،

ہمہ کس طالب آں سرد رواں ست اینجا
اب حیواں ز نفس سوختگان ست اینجا

اس نے کہا کہ تمہارا استاد، حاش اللہ کو ماقبل کلمہ منفی لایا ہے اور جائز نہیں:

حاش اللہ کہ بد نمیگو یم

میرے شاگرد نے کہا کہ یہ ترکیب انوری کی ہے:

حاش اللہ نہ مرا، بلکہ ملک رانبود
باسگ کوے تو ایں زہرہ و یار او مجال

مولوی ہدایت علی تمکین کا آج تک میں نے نام، سنا تھا۔ چھپے ہوئے رستم ہیں۔ صائب اگرچہ اصفہانی نژاد تھا۔ مگر دارو شاہجہان آباد تھا۔ انتقام کشیدن، و انتقام گرفتن، دونوں بول گیا۔ مولوی صاحب لچ فارسی بولتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

کلیم بروزن فعیل صیغہ اسم فاعل ہے۔ مثل کریم و رحیم، بشیر و سمیع و بصیر کلیم اسمائے الٰہی ہیں۔ کلیم اگر معنی ہم کلام لیجیے تو اسم الٰہی اس کو کیوں کر قرار دیجیے؟ حضرت کا مصرع:

ہست کلامے ز کلام کلیم

مخدوش البتہ ہے، یعنی یا کلمہ از کلام کلیم یا کلامے از کلمات کلیم چاہیے۔ کلامے از کلام مفرد میں سے مفرد کو نکالا چاہیے۔ گو جائز نہ ہوا۔

''گو باش'' و ''گو باشد'' ہرگز محل تردد نہیں۔ اوہام وسادس قواعد میں پیش نہیں جاتے:

اے کریمے کہ از خزانہ عیب

ہرگز یائے معروف نہیں ہے یائے مجہول ہے۔ یائے معروف یہاں نامقبول ہے:

خدائے کہ بالا و پست آفرید

ایسا خدا، ایسا کریم، اس تحتانی کو یائے، وحدت کہو، یائے توصیف کہو، یائے تعظیم کہو، جس طرح کہو مجہول آئے گی۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۲۳)

جناب چودھری صاحب،

سیاہی پھیکی، کاغذ پتلا، پیر و مرشد کی عبارت ایک طرف، آپ کی تحریر بھی مغشوش ہوگئی۔ بہرا ہو گیا ہوں مگر حدت، بصر ہنوز باقی ہے۔ تمہاری عبارت کا جو لفظ پڑھ لیا۔ قرینے سے اس کا محاورہ بھی معلوم ہو گیا۔ حضرت کی تحریر کا ایک لفظ سوائے سعادت تو ام شاہ عالم کے اگر پڑھا گیا ہو تو دیدے پھوٹیں ایمان نصیب نہ ہو، وہ خط بدستور آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ اردلی سفید کاغذ پر حرف بحرف اس کی نقل کر کے پھر مجھے بھیج دیجیے تا کہ اس کے جواب لکھنے میں سعادت حاصل کروں۔ لیکن بہت جلد، بہت جلد، آپ کی نگارشی سے اتنا دریافت ہو گیا کہ اب آپ اچھے ہیں۔ الحمد اللہ،

جناب ممتاز علی خاں صاحب کہاں اور مارہرہ کہاں، بہ ہر حال میرا سلام۔

(۲۴)

بندہ پرور،

پرسوں تمہارا خط آیا۔ آج جواب لکھ رکھتا ہوں۔ کل ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ میرا حال کیوں پوچھو؟ اپنے کو دیکھو جو تمہارا ڈھنگ ہے۔ وہی میرا رنگ ہے۔ شورداروم مرض خاص اور رنج عام، یہ ایک اجمال دوسرا اجمال سنو کہ مہینے بھر سے صاحب فراش ہوں۔ صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہتا ہوں، محل سرائے اگر چہ دیوان خانے کے بہت قریب ہے، پر کیا امکان جو جا سکوں۔ صبح کو نو بجے کھانا یہیں آجاتا ہے۔ پلنگ پر سے کھسل پڑا۔ ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھایا، پھر ہاتھ دھوئے، کلی کی، پلنگ پر جا پڑا، پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے۔ اٹھا اور حاجتی میں پیشاب کیا اور پڑ رہا۔ مدتوں سے یہ مرض ہے کہ پیشاب جلد جلد آتا ہے۔ اس صاحب فراش ہونے کو دیکھو اور دم بدم تقاضاے بول کو دیکھو۔ پاخانے اگر چہ دن رات میں میں ایک دفعہ جاتا ہوں مگر صعوبت کو تصور کرو۔

ایک پھوڑا دائیں ایک پھوڑا دائیں پہونچے ہیں، جس کو ساعد کہتے ہیں، دو پھوڑے بائیں پہونچے ہیں۔ یہ سہل ہیں۔ بائیں پاؤں میں کف پا و پشت پا سے لے کر آدھی پنڈلی تک ورم اور ورم بھی سخت، روادعات و محلات[۲] سے کچھ نہ ہوا۔ اب تجویز ہے کہ نیب کا بھرتا باندھیے۔ جب پکے پھوٹے تب مرہم لگایئے۔ کہو کف پا میں جراحت کا عمل ہوا تو قیام کا کہاں ٹھکانا؟

یہ حال جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں مجمل و جزوی ہے میرا قیاس اس کا مقتضی

ہے کہ پیرومرشد حضرت صاحب عالم مجھ سے آرزدہ ہیں۔اور وجہ اس کی یہ ہے کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا۔اس رقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں۔حضرت صاحب ان صاحبون کے کلام کو یعنی ہندیوں کے اشعار کو قتیل اور واقف سے لے کر بیدل اور ناصر علی تک اس میزان میں تولیں۔

رودکی اور فردوسی سے لیکر خاقانی و سنائی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ۔ان حضرات کا کلام تھوڑے تھوڑے تفاوت سے ایک وضع ہے۔پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے۔فغانی اور ایک شیوہ خاص کا مبدع ہوا۔خیال ہاے نازک ومعانی بلند لایا۔اس شیوے کی تکمیل کی ظہوری نظیری وعرفی ونوعی نے۔سبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑ گئی۔اس روش کو بعد اس کے صاحبان طبع نے سلاست کا چربا دیا۔صائب وکلیم وسلیم وقدسی وحکیم شفائی اس زمرے میں ہیں۔رودکی واسدی، یہ شیوہ کے وقت میں ترک ہوا اور سعدی کی

۱؎ ایک قسم کا سفید کاغذ جو ذرا دبیز ہوتا ہے ۲؎ ایسی دوائیں جن کے لگانے سے ورم تحلیل ہو جائے

طرز نے بسبب سہل ممتنع ہونے کے روج نہ پایا۔فغانی کا انداز پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے تو اب طرزیں تین ٹھہری ہیں۔خاقانی اور اس کے اقران ظہوری اور اس کے امثال، صائب اور اس کے نظائر۔خالصا اللہ ممتاز و اختر وغیرہ ہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے؟ مگر فارسی نہیں ہے۔ہندی ہے۔دارلضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے ٹکسال باہر ہے۔داد، داد، انصاف، انصاف:

اگرچہ شاعران نغز گفتار
زیک جام اندر بزم سخن مست
دبے با بادہ بعضے حریفاں
خمار چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ دراشعار ایں قوم
درائے شاعری چیزے دگر ہست

وہ چیز ے دگر پارسیوں کے حصے میں آئی ہے۔ ہاں اردو زبان میں اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے۔ میر تقی میر علیہ الرحمتہ:

بدنام ہوگے جانے بھی دو امتحان کو
رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جانکو؟

سودا:

دکھلایئے لے جاکے تجھے مصر کا بازار
خواہاں نہیں لیکن کوئی داں جنس گراں کا

قائم:

قائم اور تجھ سے طلب بو سے کی۔ کیوں کر مانوں
ہے تو ناداں مگر اتنا بھی بد آموز نہیں

مومن خاں:

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کمتر اور آتش کے ہاں پیشتر یہ تیز نشتر ہیں۔ مگر ان کا کوئی شعر اس وقت یاد نہیں آتا۔ یاد کیا آوے، لیٹا ہوا ہوں۔ ومبدم پاؤں کے ورم کی ٹیس ہوش اڑائے دیتی ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

۱۸۶۳ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

آ ہا ہا، جناب منشی ممتاز علی خاں مارہرہ پہنچے۔ صاحب یہ تو سیاح گیتی نوردثانی مخدوم جہانیاں جہاں گرد ہیں۔ بہ ہرحال آپ نے دیباچہ بہت اچھا لکھا ہے۔ کتاب کو اس سے رونق ہو جائے گی۔ نظم میں وہ پایہ بلند کہ شعری انکے شعر پر لالی انجم نثار کرے۔ خود بلا گرداں ہو، لولی ساہر مصرعے پر دل و جان وارے، صدقے، قربان ہو۔[۲]

---

[۲] پارسیوں سے مراد گروہ نہیں جو مذہبا مشہور ہیں بلکہ اہل ایران میراد ہیں۔ جو پہلے عموماً فارس مشہور تھا۔

---

[۳] سرور نے اپنے نام کے رقعات کو جمع کر کے اس کا نام مہر غالب رکھا تھا اور منشی ممتاز علی خاں کے ذریعہ سے چھپوانے کے آرزومند تھے۔ اس پر ایک دیباچہ بھی لکھا تھا۔ جو عود ہندی کے ساتھ چھپ گیا۔ یہ فقرہ اسی دیباچے کا ہے پہلے سرور نے لکھا تھا۔ شعری ان کے شعر پر لالی انجم نثار کرے۔۔۔۔ لولی ساہر مصرعے پر دل و جان وار کرے۔ اس وجہ سے غالب کو دار کرے۔ کے حقیقی معنی بتانے پڑے۔ بعد میں فقرہ یوں بنا دیا گیا۔ شعری ان کے شعر پر لالی انجم تصدق اتارے۔۔ لولی ساہر مصرعے پر دل و جان وارے، امختار الدین صاحب آرزو نے فرمایا کہ سرور نے چھتیس شعر کا اردو قصیدہ اور نو قطعات اصلاح کیلیے بھیجے تھے۔ قصیدے کے گیارہ شعروں پر غالب کی اصلاح ہے۔ نو قطعات میں سے ایک انھیں پسند نہ آیا۔

دار کرے، بہ معنی جملہ کرنے کے ہے اور ہو جو آپ کا مقصود ہے ان معنوں میں

وارنا اوروارے آیا ہے نہ دار کرنا اور دار کرے۔ آپ کو یاد ہو گا چند سطریں میں نے بہ ہزار دشواری لکھ کر تمہیں بھیجی تھیں۔ خواہش یہ تھی کہ یہی سطریں میرے مخدوم اور مخدوم زادے کی نظر سے گزر جائیں۔ آج ایک خط میں نے پیر و مرشد کا اور پایا وہ ابھی نہیں پڑھا۔ مگر شاہ عالم صاحب اس خط کی پشت پر لکھتے ہیں کہ تو نے میرے خط کا جواب نہیں لکھا۔ اب میرا انجام کار دو طرح پر متصور ہے، یا صحت یا مرگ، پہلی صورت میں خود اطلاع دوں گا۔ دوسری صورت میں سب احباب خارج سے سن لیں گے۔ یہ سطریں لیٹے لیٹے لکھی ہیں۔

(۲۶)

ایک عبارت لکھتا ہوں چونکہ لفافہ جناب چودھری عبدالغفور صاحب کے نام کا ہوگا۔ پہلے وہ پڑھیں پھر میرے پیرومرشد کی نظر سے گزاریں۔ پھر مرشدزادہ شاہ عالم صاحب کو دکھائیں۔

برس دن سے فساد خون کے عوارض میں مبتلا ہوں۔ ثبور و اورام میں لدرہا ہوں۔ برس دن مکیں اوجاع سہتے سہتے روح تحلیل ہوگئی۔ نشست و برخاست کی طاقت نہ رہی اور پھوڑے تو خیر، مگر دونوں پنڈلیوں میں ہڈیاں کے قریب دو پھوڑے ہیں۔ کھڑا ہوا اور ہڈیاں چرانے لگیں۔ اور رگیں پھٹنے لگیں۔ بائیں پانو پر کف پا سے۔ جہاں وہ پھوڑا ہے۔ پنڈلی تک ورم ہے۔ رات دن پڑا رہتا ہوں۔ پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے۔ کھسل پڑا۔ بعد رفع حاجت پھر لیٹ رہا۔ اسی صورت سے روٹی کھاتا ہوں۔ اشعار کی اصلاح یک قلم موقوف، خطوط ضروری لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ دو خط چودھری صاحب کے آئے، جواب نہ لکھ سکا۔ آج اپنے کو طعنے دے کر مرد بنایا۔ جب یہ عبارت لکھی۔ چودھری صاحب کو سلام حضرت صاحب کو بندگی۔

۱۸۶۳ء

(۲۷)

جناب چودھری صاحب،

میں تو خدمت بجالایا مگر اس کے صلے میں تین باتیں چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ آرہ کے مولوی فرزند احمد کا مکان کا پتا مجھے لکھ بھیجو تا کہ میں ان کو تہنیت لکھوں[۱]۔ دوسرے یہ کہ تمہارا خط کو واپس کرتا ہوں۔ حضرت صاحب کی دستخطی عبارت حرف بہ حرف اپنے ہاتھ سے لکھو اور مجھ کو بھیجو تا کہ ان کو تہنیت کا خط لکھوں[۲]۔ واللہ ہرگز مجھ سے پڑھا نہیں گیا۔ تشویش و تشویر میں ہوں کہ کیا کروں۔ تم یہ بوجھ مجھ سے اٹھا لو۔ تیسری بات یہ کہ یہ معاملہ حضرت صاحب پر ظاہر نہ ہو اور میرے اس خط کا جواب جلد آئے۔

۲۵۔ دسمبر ۱۸۶۶ء

غالب

(نقوش مکاتیب نمبر)

صاحب عالم مارہروی

مارہرہ میں ایک بزرگ ہیں۔جن کا نام شاہ برکت اللہ تھا۔۱۱۴۲ھ میں واصل بہ حق ہوئے۔ان کو کئی جاگیریں بادشاہوں نے دی تھیں۔مدت تک گدی ایک رہی۔پھر دو حصوں میں بٹ گئی اور ساری جائیداد بھی بہ حصہ برابر تقسیم ہوگئی۔ایک گدی کو سرکار کلاں، اور دوسری کو سرکار خورد کہتے تھے۔سید صاحب عالم سرکار خورد کے سجادہ نشین تھے۔

۱۲۱۱ھ میں پیدا ہوئے یعنی غالب سے ایک برس بڑے تھے۔ایک مرتبہ انھوں نے غالب کو لکھا تھا کہ لفظ تاریخ میرا سال ولادت ہے۔غالب نے مزاحاً یہ شعر لکھ بھیجا:

ہاتف غیب شب کو یوں چیخا
ان کی تاریخ ،میرا تاریخا

یعنی تاریخ کے اعداد میں الف کا ایک عدد بڑھ جائے تو ۱۲۱۲ھ بن جاتے ہیں جو غالب کی تاریخ ولادت ہے۔

صاحب عالم کی ابتدائی تعلیم فرخ آباد میں ہوئی۔زبردست فاضل، اور متجر عالم تھے۔خط اچھا نہ تھا۔جو خط خود لکھتے تھے میرزا سے چودھری عبدالغفور کے پاس بھیج کر صاف لکھواتے تھے۔پھر جواب دیتے تھے۔ ۱۲۸۸ھ، ۱۸۷۱ء میں وفات پائی اور شاہ برکت اللہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔احسن مارہروی مرحوم انھیں کے اخلاف میں سے تھے۔

شاہ عالم صاحب عالم کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ان کے نام یقیناً زیادہ خط لکھے گئے ہوں گے۔ لیکن ان میں سے اکثر ضائع ہو گئے۔ صرف پانچ خط صاحب عالم کے نام اور دو خط شاہ عالم کے نام

۱فرزند احمد صفیر بلگرامی کے بیٹے کی ولادت پر تہنیت، سرور نے قطعات اسی سلسلے میں لکھے تھے۔۲ صاحب عالم مارہروی کو اس لیے تہنیت کہ صفیر بلگرامی کے نواسے تھے۔

کے محفوظ رہ گئے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ چودھری عبدالغفور سرور کے اکثر خط ان میں اور صاحب عالم میں مشترک ہیں، بلکہ ابتدائی سطروں کے سوا پورے خط میں صاحب عالم ہی سے خطاب ہے۔

(۱)

پیرومرشد،

سلام نیاز پہنچے۔ کف الخضیب اصور جنوبی میں سے ایک صورت ہے۔ اس کے طلوع کا حال مجھ کو کچھ معلوم نہیں۔ اختر شناسان ہند کو اسکا کچھ حال معلوم نہیں اور ان کی زبان میں اس کا نام بھی، یقین ہے کہ نہ ہوگا۔ قبول دعا وقت طلوع، منجملہ مضامین شعری ہے۔ جیسے کتان کا پرتو ماہ میں پھٹ جانا اور زمرد لیسے افعی کا اندھا ہوجانا۔ آصف الدولہ نے افعی تلاش کرکے منگوایا اور قطعات زمرد اس کے محاذی چشم رکھے۔ اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ایران دردم وفرنگ سے انواع انواع کپڑے منگوائے، چاندنی میں پھیلائے۔ کوئی مسکا بھی نہیں۔

تحویل آفتاب بہ حمل کے باب میں موٹی بات یہ ہے کہ ۲۲۔ مارچ کو واقع ہوتی ہے۔ کبھی ۲۱ کبھی ۲۳ بھی آپڑتی ہے۔ اس سے تجاوز نہیں۔ رہا طالع وقت تحویل درست کرنا۔ بے کتب فن اور مبلغ علم ممکن نہیں۔ میرے پاس یہ دونوں باتیں نہیں:

نہ دانم کہ گیتی چساں مے رود
چہ نیکو، چہ بد در جہاں مے رود

میں تو اب روز شب اسی فکر میں ہوں کہ زندگی تو یوں گزری اب دیکھیے موت کیسی ہو:

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

میرا ہی شعر ہے اور میرے ہی حسب حال ہے۔

سکے کا دار تو مجھ پر ایسا چلا جیسے کوئی چھرا یا کوئی گراب۔ کس سے کہوں؟ کس کو گواہ لاؤں؟ یہ دونوں سکے ایک وقت میں کہے گئے ہیں۔ یعنی جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے تو ذوق نے یہ دو سکے کہہ گزرانے۔ بادشاہ بے پسند کیے۔ مولوی محمد باقر، جو ذوق کے معتقدین میں تھے۔ انھوں ن ے دلی اردو اخبار میں یہ دونوں سکے چھاپے۔ اس سے علاوہ اب تک وہ لوگ موجود ہیں کہ جنھوں نے اس زمانے میں مرشد آباد اور کلکتہ میں یہ سکے سنے ہیں اور ان کو یاد ہیں۔ اب یہ دونوں سکے سرکار کے نزدیک میرے کہے ہوئے اور گزرانے ہوئے ثابت ہوئے ہیں۔ میں نے ہر چند قلمرو بند میں دلی اردو اخبار کا پرچہ ڈھونڈا۔ کہیں ہاتھ نہ آیا۔ یہ دھبا مجھ پر رہا۔ پنسن بھی گئی اور وہ ریاست کا نام ونشان خلعت و دربار بھی مٹا۔ خیر جو کچھ ہوا۔ چونکہ موافق رضائے الٰہی کے ہے اس کا گلہ کیا۔

چوں جنبش سپہر ، بہ فرمان دادرست
بیدار نبود آنچہ بما آسمان دہد

یہ تحریر بطریق حکایت ہے ،نہ بسبیل شکایت۔

گویند، از بوالحسن خرقانیؒ رفت کو چہ حال داری فرمود کدام حال خواہد بود کسے را کہ خدا ازوے

إمشدود مضموم خ مفتوح اورض کمسور شمالی جانب ایک ستارہ مشہور ہے۔ کہ جب وہ دائرہ نصف النہار میں پہنچتا ہے تو قبول دعا کا وقت ہوتا ہے۔ کف خصیب کے لفظی معنی پنجہ رنگین۔

فرض طلبد و پیر سنت، زن مال خواہد و ملک الموت جان''؟

قصہ مختصر اب زیست بامید مرگ ہے۔ قاطع برہان، چودھری صاحب کی نثر کے اجزا کیساتھ بھیجا جائے گا۔ بہ مقابلہ برہان قاطع مطبعہ دیکھا جائے اور بے حیف و بے میل از راہ انصاف دیکھا جائے، مرشد زادوں کو سلام مسنون اور دعاے افزونی عمر و دولت پہنچے۔

۱۸۵۹ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۲)

پیرومرشد،

مے کنم عرض و مکرر باش

آج ہی ایک خط چودھری عبدالغفور صاحب کے نام کاروانہ کیا ہے۔اور اس خیال سے کہ وہ ہنگامہ شادی میں اس خط کا آپ کی نظر سے گزرنا بھول نہ جائیں۔ یہ خط جداگانہ آپ کو آج ہی بھیجتا ہوں۔اصحاب ثلاثہؓ کی عبارت نثر مرجز کے باب میں اتنی ہی ہے۔وزن دارد، سجع ندارد، خدا کے واسطے وزن شعر کو کہتے ہیں وہ مثال کی نثر میں کہاں ہے؟ سجع اس کو کہتے ہیں کہ کلمات فقر تین وزن میں برابر ہوں۔ یہ صنعت مثال کی نثر میں موجود ہے، جو ہے اس کا سلب، جو نہیں اس کا ثبوت کیوں کر مانوں؟ کیا آپ کی یہ مرضی ہے کہ الفاظ کے ہم وزن ہونے کو وزن، تقطیع شعر کو سجع مان لوں؟ میں تو نہ مانوں گا۔آپ کو اختیار ہے۔یہ کلام معصوم کا نہیں کہ اس کے مسلم نہ رکھنے سے آدمی کافر ہو جائے۔زبان فارسی مردے کا مال ہے۔عرب کے ہاتھ بطریق یغما آیا ہے۔جس طرح چاہیں صرف کریں۔

خواجہ نصیرالدین طوسی حرف کا زبان فارسی میں نہ آنا لکھتے ہیں اور ذال نقطہ دار کا ذکر نہیں کرتے۔الا کوئی لغت فارسی ایسی بتایئے کہ جس میں، ذال، آئی ہو، گزاشتن گزشتن و پزیرفتن سب زے سے ہیں۔کاغذ وال مہملہ سے ہے اس کا ذال سے لکھنا اور کواغذ کو اس کی جمع قرار دینا تعریب ہے بہ تحقیق، آوراسم آتش ابدال بجد ہے نہ بذال شخذ ۲۔کوئی لفظ متحد المخرج فارسی میں نہیں، بلکہ قریب

المخرج بھی نہیں ''تے'' ہے طوئے نہیں۔''سین ہے، ث نہیں اور ''صاد'' نہیں۔ ''ہاے ہوز'' ہے ''حاے حطی'' نہیں۔ یہاں تک کہ قاف نہیں، اس راہ سے کہ غین متحد المخرج بلکہ قریب المخرج ہے۔زے کے ہوتے، ذال، کیوں کر ہوگی؟

وہ میاں صاحب ہانسی کے رہنے والے بہت چوڑے چکلے۔ جناب عبدالواسع فرماتے ہیں۔ کہ بے مراد صحیح اور نامراد غلط، ارے تیرا ستیا ناس جائے، بے مراد، اور نامراد، میں وہ فرق ہے جو زمین وآسمان میں ہے۔نامراد، وہ ہے کہ جس کی کوئی مراد، کوئی خواہش، کوئی آرزو نہ آوے۔بے مراد وہ کہ جس کا صفحۂ ضمیر نقوش مدعا سے سادہ ہو۔ ازقسم بے مدعا و بے غرض و بے مطلب، حسبتہ اللہ ان دونوں امروں میں کتنا فرق ہے؟ ناپروا'' اور

۱؎ غالباً ملاغیاث الدین رامپوری، عبدالرزاق اور عبدالواسع ہانسوی۔ ۲؎ یعنی ''آور'' نہیں

''ناکام اور نادرست اور ناچار کہ یہ مخفف ناچارہ اور ناہار، کہ یہ مخفف نہ اہار ہے اور نامراد اور ناانصاف یہ سب درست ہیں، ہاں کہاں گئے ہانسی والے معلم؟

قافیہ شایگاں کہ جس کو عرب ایطا کہتا ہے۔وہ دو طرح پر ہے۔خفی وجلی، اہل خرد نے خاک اڑائی ہے اور بات بتائی ہے۔خفی اور جلی کی تفسیر میں وہ کچھ لکھا ہے کہ صاحب طبع سلیم کبھی اس کو نہ سمجھے چہ جاے آنکہ مانے۔

اصل یہ ہے کہ ایطا وہ قافیہ ہے کہ جو دو حرف ایک صورت کے ہوں جیسے الف فاعل، گویا و بینا و شنوا

شعر اسیرا:

اے دانہ تسبیح حیا لت دل دانا

سر حلقہ مستان رخت دیدہ بینا

اور نون دال مضارع کا جیسا استاد کے اس مطلع میں ہے،

دل شیشہ چشمان تو ہر گوشہ برندش

مست است مبادا کہ بناگر شکندش

اور ایسا ہی ہے الف نون جمع کا مثل چراغاں و جواناں اور ایسا ہی الف نون حالیہ، مانند گریاں و خنداں۔ پس اگر یہ مطلع میں آپڑے تو ایطائے جلی ہے۔ اگر غزل یا قصیدہ میں بطریق تکرار قافیہ میں آپڑے تو ایطائے خفی ہے۔ ائمہ فن نے وہ کچھ لکھا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر قائل تحقیق ہو تو میرے بیان پر غور کرو اور جو عبدالواسع اور غیاث الدین اور عبدالرزاق ان ناموں کی شوکت نظر میں ہے۔ تو تم جانو، ایک شخص بھیک مانگتا ہے۔ باپ نے اس کا نام، میر بادشاہ رکھ دیا ہے۔

اصل فارسی کو اس کھتری بچے قتیل علیہ ما علیہ نے تباہ کیا۔ رہا سہا غیاث الدین رام پوری نے کھو دیا۔ ان کی سی قسمت کہاں سے لاؤں جو صاحب عالم کی نظر میں اعتبار پاؤں؟ خالصاً اللہ غور کرو کہ وہ خزانا مشخص کیا کہتے ہیں اور میں خستہ و دردمند کیا بکتا ہوں۔ واللہ نہ قتیل فارسی شعر کہتا ہے اور نہ غیاث الدین فارسی شعر جانتا ہے۔ میرا یہ خط پڑھو۔ یہ نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی پڑھو۔ قوت ممیزہ سے کام لو۔ ان غولوں پر لعنت کرو۔ سیدھی راہ پر آجاؤ۔ اگر نہیں آتے تو تم جانو تمہاری بزرگی پر اور میر زا تفتہ کی نسبت پر نظر کر کے لکھا ہے۔ نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی میرے تحریر کو مانو۔ مگر اس کھتری بچے اور اس معلم بچے سے مجھ کو کمتر نہ جانو، عربی کا حرف اور

ہے اور فارسی کا قاعدہ اور ہے۔ سمجھو یا نہ سمجھو تم کو اختیار ہے۔ عقل کو کام فرماؤ۔ غور کرو، سمجھو۔ عبدلواسع پیغمبر نہ تھا۔ قتیل برہمانہ تھا۔ واقف غوث الاعظم نہ تھا۔ میں یزید نہیں ہوں۔ شمر نہیں ہوں۔ مانتے ہو مانو، نہ مانو تم جانو،

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۳)

بعد حمد و نعت رسول اللہ ﷺ پہلے قبلہ روح و رواں جناب صاحب عالم کو بندگی اور حضرت مقبول عالم کی شادی کی مبارکباد۔ کیا عرض کروں کہ میرا حال کیا ہے؟ اضمحلال قوی کا حال مختصر یہ ہے کہ اگر

---

۱ میرزا جلال اسیر ۲ قتیل ۳ ملا غیاث الدین رامپوری

کوئی دوست ایسا کہ جس سے تکلف کی ملاقات ہے آجائے تو اٹھ بیٹھتا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ جو کچھ لکھنا ہوتا ہے وہ بھی اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ آج دوپہر کو میر عبدالعزیز صاحب آئے۔ میں نے کلاہ پیرہن پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ ان کو دیکھ کر اٹھا۔ مصافحہ کیا۔ انھوں نے جناب شاہ عالم صاحب کا خط مع مسودات اشعار دیا۔ اور فرمایا کہ پرسوں جاؤں گا۔ عرض کیا کہ کل آخر روز آپ تشریف لائیں۔ خط کا جواب اور اصلاحی مسودہ لے جائیں۔ وہ تشریف لے گئے۔ میں لیٹ رہا۔ دن کے سونے کی عادت نہیں ہے۔ جی میں کہا آؤ بیکار کیوں رہو۔ خط کا جواب آج لکھ دو۔ اٹھے کون؟ بکس کھولے کون؟ لڑکوں کی دوات قلم مونڈھے پر پلنگ کے پاس رکھ لی۔ اب مقتضی اس کا ہوا کہ آغاز نامہ بنام اقدس ہو۔

حضرت، نسخہ قاطع برہان، تیسری چوتھی نظر میں مکمل ہو کر مسودات ایک کاتب کے حوالے ہوئے۔ آٹھ جز لکھے گئے کم و بیش دو جزیاتی ہیں۔ پرسوں تک آجائیں گے۔ بعد اس کے انطباع کی فکر ہوگی۔ جب وہ عزیمت امضاپذیر

ہو جائیگی۔ حضرت کی نظر سے بھی شرف پائیگی۔ حضرت سید عالم کو نیاز، خورشید عالم کو سلام۔ چودھری صاحب کو نہ سلام نہ نیاز، صرف یہ پیام کہ ہم تمہارے خط کو مفرح روح سمجھتے تھے۔ باتوں کا مزہ ملتا تھا۔ خیر و عافیت معلوم ہو جاتی تھی۔ وہ وظیفہ روحانی منقطع کیوں ہوا۔ صاحب یہ روش اچھی نہیں ہوگا۔ گاہ گاہ رسل و رسائل کا طور بنا رہے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

پیرومرشد،

اس مطلع وحسن مطلع کو کیا سمجھوں اور اس کا شکر کیوں کر بجالاؤں، خدا کی بندہ نوازیاں ہیں کہ مجھ ننگ آفرینش کو اپنے خاصاں درگاہ سے بھلا کہواتا ہے۔ ظاہر امیر ے مقدر میں یہ سعادت عظمیٰ تھی کہ میں اس وبائے عام میں جیتا بچ رہا۔ اللہ اللہ ایسے کشتنی وسوختنی کو یوں بچایا اور پھر اس رتبہ کو پہنچایا۔ کبھی عرش کو اپنا نشیمن قرار دیتا ہوں۔ اور کبھی بہشت کو اپنا پائیں باغ تصور کرتا ہوں۔ واسطے خدا کے اور اشعار نہ فرمائیے گا۔ ورنہ بندہ دعویٰ کرنے میں محابا نہ کرے گا۔

کتاب افادت مآب پنج آہنگ نسخہ لطیف شریف، تالیف، اس کے آگے غلام سے کچھ نہ پڑھا گیا۔ مگر چودھری صاحب اور حضرت شاہ امیر صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب یہ تین اسم معلوم ہوئے۔ پھر بھی دوسرے اسم میں متردد ہوں کہ آیا میرا قیاس مطابق واقع ہے یا نہیں۔ ہاں چودھری صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب، ان دوناموں میں تردد باقی نہیں۔ معہذا یہ نہ سمجھا کہ مقصود کیا ہے؟ اگر پنج آہنگ مطلوب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میرا ایک سبھی بھائی ہے نواب ضیاء الدین خاں سلمہ اللہ تعالیٰ۔ وہ میری نظم ونثر کو فراہم کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ مجموعہ نثر اور کلیات نظم اردو سب نسخے اس کے کتب خانے میں تھے۔ وہ کتب خانہ ڈر کر عرض کرتا ہوں بیس ہزار روپے کی مالیت کا ہوگا۔ لٹ گیا۔ ایک ورق نہیں رہا۔ ہاں چھاپے کی پنج آہنگیں اب بھی بکتی ہیں اور معیوب بہ دو عجب ہیں: ایک تو یہ کہ جو بعد

انطباع از قسم نثر تحریر ہوا ہے۔ وہ اس میں نہیں۔ دوسرے کاپی نویس نے وہ اصلاح میری نثر کو دی ہے کہ میرا جی چاہتا ہے۔ اگر کہوں کوئی سطر غلطی سے خالی نہیں تو اغراق ہے۔ بے مبالغہ یہ ہے کہ کوئی صفحہ اغلاط سے خالی نہیں۔ بہ ہر حال اگر فرمایئے تو لے کر بھیج دوں۔ مخدوم زادہ ہائے والا تبار پہلا نام سمجھ میں نہیں آیا

ا غالب کی مدح میں قصیدہ۔

مگر پہلے ان کی خدمت میں اور پھر سید مقبول عالم کی خدمت میں سلام مسنون اور اشتیاق روز افزوں عرض کرتا ہوں۔

(۱۸۶۱)

(۵)

حضرت صاحب قبلہ و کعبہ جناب صاحب عالم کو فقیر اسد اللہ کی بندگی۔

دیباچے کا عظیم آباد کو روانہ ہونا معلوم ہوا۔ مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ لختِ جگر وہ نورِ بصر مولوی سید فرزند احمد کو وہ دیباچہ پسند آیا یا نہیں؟ ہاتھ رعشہ دار۔ آنکھیں ضعیف البصر، حواس مسلوب ہیں۔ قصہ مختصر من کل الوجوہ غالب مغلوب ہیں۔ وہ مہینے ہوئے منشی ہرگوپال تفتہ بہ سواری ریل یہاں آئے۔ ایک شب رہے، صبح کو تشریف لے گئے۔

مخدوم زادہ شاہ عالم کو سلام اور یہ پیام کہ بطلانِ حس حافظہ کے سبب آپ کے اخوان کے نام بھول چکا ہوں ان سب صاحبوں کی خدمت میں اور میاں برکات حسن صاحب اور چودھری عبدالغفور صاحب کی خدمت میں سلام پہنچائیں اور یہ بھی کہہ دیں کہ مولوی غلام غوث خاں میر منشی نے آپ کا دیباچہ اور میرا مجموعہ نثر مرتب کر کے منشی ممتاز علی خاں کو بھیج دیا ہے۔ اب چھپوانے میں انکو اختیار ہے!

۲۶، اگست ۱۸۶۶ء

اسد اللہ

شاہ عالم

(۱)

مخدوم زادہ والا تبار، حضرت شاہ عالم سلام و دعائے درویشانہ و قبول فرمادیں۔ آپ کا مع الخیر وطن پہنچنا اور بزرگوں کے قدم بوس اور بھائیوں کے ہم آغوش ہونا آپ کو مبارک ہو:

یوسف   از   مصر   بکنعان   آمد

تفرقہ اوقات و سفر رام پور و شدت تموز مقتضی اس کی ہوئی کہ ہنوز تمہارے مسودات دیکھے نہیں گے تا نزول باران رحمت الٰہی اور بھی چپکے بیٹھے ہو۔ اپنے ماموں صاحب کو نیاز معتقدانہ اور اپنے بھائیوں کو سلام مخلصانہ کہیے گا اور اپنے والد ماجد یعنی میرے مرشد ہم عرفن کو وہ سلام جس سے محبت ٹپکے اور اشتیاق برسے۔ پہنچایئے گا

ا اس خط میں اول جس دیباچے کا ذکر ہے۔ وہ یقیناً مولوی فرزند احمد صفیر کی کتاب رسالہ تذکیر و تانیث کا دیباچہ ہے جسے تقریظات میں چھاپا جارہا ہے۔ صفیر، صاحب عالم مارہروی کے نواسے تھے۔ آخر میں اس مجموعہ مکاتیب کا ذکر ہے۔ جس کی ابتداء چودھری عبدالغفور سرور نے کی تھی۔ میر منشی غلام غوث صاحب نے اس میں مزید خطوط شامل کر دیے اور یہ عود ہندی کے نام سے میرٹھ میں چھپا۔

اور عرض کیجئے گا کہ آرزوئے دیدار حد سے گزر گئی۔ یارب جب تک حضرت

صاحب عالم کو مارہرہ میں اور انوار الدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں اور ان سے ہم کلام نہ ہولوں۔ میری روح کو قبض کا حکم نہ ہو۔ لیکن ۱۲۷۷ھ میں دو مہینے باقی ہیں۔ اب کے محرم سے اس ذی الحجہ تک میرا مدعا حاصل ہو جائے۔

مشفقی و مکرمی چودھری عبدالغفور صاحب کو میرا سلام کہیے گا۔ اور یہ پیام پہنچائیے گا کہ حضرت صاحب عالم کی تمنائے دیدار بقید مارہرہ کنایہ اس سے ہے کہ اور کسی کا بھی دیدار مطلوب ہے:

خواہش وصل مقدر ہے جو مذکور نہیں

انکے اس خط کا جواب، جو پرسوں مجھ کو پہنچا ہے۔ موم جامہ میں لپیٹ کر بھیجو ں گا۔ ان شاءاللہ العزیز۔

ہاں جناب شاہ عالم صاحب، پھر وے سخن اپ کی طرف ہے۔ جناب میر وزیر علی صاحب بلگرامی یہاں تشریف لائے۔ اور میرے مسکن سے ایک تیر پرتاب کے فاصلے پر چاندنی چوک میں قطب الدین سوداگر کی حویلی میں اترے ہیں۔ مرفی صاحب کا کام انکے سپرد ہوا ہے۔ یعنی ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں اور ہزار روپے تک کا مقدمہ عدالت دیوانی کا بھی کرتے ہیں۔ لیکن ہنوز قائم مقام ہیں۔ وہ صاحب جس کا نام لکھ آیا ہوں بطریق رخصت سپاٹو گیا۔ ایک دن فقیر بھی ان کے مکان پر چلا گیا تھا۔ حسن صورت اور حسن سیرت دونوں ان میں جمع ہیں۔ آنکھیں انکے حسن صورت سے روشن ہوگئیں۔ واہ خاک پاک بلگرام، میں نے وہاں کے جس بزرگوار کو دیکھا۔ بہت اچھا پایا۔

۱۸۶۰ء

(۲)

مخدوم زادہ عالی شان مقدس دوران، حضرت شاہ عالم امن وامان و عز و شان و علم و عمر سے برخوردار ہیں۔ ہمارے حضرت کو ہم بھول گئے۔ ہاں سچ ہے ان کا لطف چودھری عبدالغفور صاحب کے جوہر مہر و محبت کا عرض تھا۔ جب جوہر نہ رہا تو عرض کہاں۔ بہ ہر حال جناب حضرت صاحب عالم صاحب کو میری بندگی پہنچ جائے اور یہ سطریں ان کی نزر سے گزر جائیں۔ چودھری عبدالغفور خاں کو سلام کہیے گا اور یہ پوچھیے گا کہ قصیدہ کا بعد اصلاح کے نہ پہنچنا میرا گناہ ہے یا اس کے سوا کوئی اور قصور ہے؟ اگر کوئی جرم ہے تو معاف کیجیے، اگر کوئی اور جرم بھی ہے تو مجھے اطلاع دیجیے۔

ان دو پیام کی تبلیغ کے بعد پھر روئے سخن آپ کی طرف ہے۔ آپ کا خط میرے نام کا اور اس کے ساتھ ایک خط ڈپٹی میر وزیر علی صاحب کے نام کا پہنچا۔ وہ پڑھا اور بھجوا دیا۔ جو آدمی خط لے کر گیا تھا۔ وہ دوبارہ جواب مانگنے کو گیا۔ پہلی بار حکم ہوا کہ کل آئیون۔ دوسری بار حضرت نہ ملے۔ میں نے اسکے جواب سے قطع نظر کر کے اپنی خدمت گزاری کی آپ کو اطلاع دی۔

یائے تحتانی لکھ چکا تھا کہ ایک چپراسی آیا اور اس نے خط تمہارے نام کا ٹکٹ لگا ہوا دیا اور کہا کہ ڈپٹی صاحب نے سلام کہا ہے اور یہ خط آیا ہے۔ اب میں یہ خط اپنا مع ان کے خط کے ڈاک گھر میں بھیجتا ہوں۔ صبح کا وقت یک شنبہ کا دن ۸۔ صفر اور ۲۵۔ اگست کی ہے۔ ڈپٹی صاحب چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی

حویلی میں رہتے ہیں۔ باقی ان کے حالات ان کے خط سے معلوم ہو جائیں گے۔
اپنے ماموں صاحب کی خدمت میں نیاز اور اپنے بھائی صاحبوں کی خدمت
میں فقیر کی دعا پہنچائیے گا۔ والسلام

۸ صفر ۱۲۷۷ھ ۲۵ اگست ۱۸۶۰ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۳)

مخدوم زادہ مرتضوی نژاد کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا ے خیر پہنچے میں ۲۔ اکتوبر ۱۸۶۵ء یعنی حال کو رام پور میں پہنچا ہوں اور دسمبر تک اقامت کا ارادہ ہے۔ آپ جواب لکھیں تو رام پور افغاناں اندرون قلعہ سرنامے پر تپا لکھیں۔ کل حضرت کا خط پہنچا آج اس کا جواب لکھتا ہوں۔ میر محمد علی خوشنویس کے نام سے میرے کان آشنا نہیں۔، مگرہاں میر نیاز علی صاحب کو جانتا ہوں۔ خدا خیر کرے وہی ہوں جو میرے خیال میں آئے ہیں۔ یہاں سے میں اس باب میں کچھ نہیں لکھ سکتا۔ بشرط حیات دلی پہنچ کر لکھوں گا اور جو کچھ معلوم ہوجائے گا وہ آپ کو لکھوں گا۔ حضرت، میرے پاس میری تصنیفات سے کچھ نہیں۔ کلیات فارسی مطبع اودھ اخبار لکھنو میں اور کلیات اردو مطبع کان پور میں اور دستنبو مطبع رہیل کھنڈ بریلی میں موجود ہیں، جو صاحب جس کے مشتاق ہیں اس مطبع سے منگوالیں اور اگر مجھ کو یہ خدمت بجالانی چاہیے۔ تو بشرط حیات ہر جگہ سے ہر چیز منگوا کو بھیج دونگا۔ میرے پیر و مرشد کی خدمت میں میری بندگی عرض کرو اور کہو کہ خدا آپ کو ہمیشہ سلامت با کرامت رکھے۔ آپ اتنے ہیں کہ اگر امید وصال نہ ہو تو روح کو جسم سے باہر کر سکتے ہیں۔

فقیر بقول غالب علیہ الرحمتہ:

درکشا کش ضعفم نگلد رواں از تن
ایں کہ من نمی میرم ہم ز نا تو انیہا است

رام پور آیا ہوں اور قلعہ میں زیر سایہ کا رخ والی شہر اترا ہوں۔ اپنا یہ مقطع پڑھ

رہا ہوں:

اتفاق سفر افتاد بہ پیری غالب
آنچہ از دست نائے مد زعصامی آید

ظاہرا دسمبر تک یہیں رہوں گا۔ چودھری عبدالغفور صاحب کو کچھ نہ کہیے۔ اگر آپ ان کے آگے میرا نام لیجیے گا تو وہ خفا ہو جائیں گے۔ خبر شرط ہے۔

دوشنبہ ۶۔ نومبر ۱۸۵۲ء جواب کا طالب

مطابق ۱۷۔ جمادی الاخری ۱۲۸۲ھ غالب

سید مقبول عالم

ایک شعر میں نے بہت دن سے کہہ رکھا ہے۔ اس خیال سے کہ میرے بعد کوئی میرا دوست میرا مرثیہ لکھے تو اس شعر کو بند قرار دے کہ ترکیب بند رقم کرے۔ وہ شعر یہ ہے:

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خان غالب مرد!

دو صاحبوں کو اس کام کے واسطے اپنے ذہن میں ٹھہرایا۔ ایک تو نواب مصطفیٰ خاں سو انھوں نے شعر کہنے سے توبہ کی۔ دوسرے نواب ضیاء الدین احمد خاں وہ اکثر بیمار رہتے اور شعر کم کہتے ہیں۔ پس اب میں اپنے پیر و مرشد صاحب عالم سے اس عنایت کا امیدوار ہوں کہ یہ کاغذ اپنے پاس رہنے دیں اور وقت پر ترکیب بند لکھیں۔ اللہ اللہ اللہ!

قاضی عبدالجمیل جنوں

عبدالجمیل، جنوں تخلص، ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ء) میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے اور اس شہر کے روسا میں سے تھے۔

ان کے اجداد مغلوں کے عہد میں مصر سے ہندوستان آئے اور معزز عہدوں پر مامور رہے۔ ایک بزرگ آخر میں بانس بریلی کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔ اس لیے وہیں مقیم ہو گئے۔ اس عہدے کے باعث خاندان کے تمام افراد قاضی کہلانے لگے۔

قاضی عبدالجمیل نے اٹھارہ برس کی عمر تک عربی و فارسی میں علوم رسمیہ کی تکمیل کر لی تھی۔ خط و کتابت کے ذریعے سے غالب کی شاگردی اختیار کی۔ آخری عمر میں اپنا سارا کلام تلف کر دیا۔ صرف تھوڑے سے اشعار باقی رہ گئے۔ جو ان کے صاحبزادے قاضی محمد خلیل صاحب رئیس بریلی کی نوازش سے خمخانہ جاوید، نیز ادبی خطوط غالب میں نقل ہوئے ہیں۔ دستنبوے کا دوسرا ایڈیشن بریلی میں قاضی صاحب ہی کے زیر نگرانی چھپا تھا۔

جنوں غالب کی وقتاً فوقتاً آموں کے تحفے بھیجتے رہتے تھے۔ اور غالب نے ایک مرتبہ دہلی سے قلمیں اور

---

۱ شاہ مقبول عالم حضرت صاحب عالم مارہروی کے خلف اصغر تھے عجیب امر یہ ہے کہ میرزا کا مرثیہ خواجہ حالی اور میر مہدی مجروح نے لکھا۔ خواجہ حالی نے ایک جگہ اس شعر کو ایک بندگی کی ٹیپ بنایا۔ مجروح نے اسی کو بند قرار دے کر ترجیع بند لکھا۔ ۲

معلوم نہیں صاحب عالم مارہروی نے بھی کچھ لکھایا نہ لکھا۔

سیاہی بھیجی، مطبوعہ نسخوں میں ان کے نام کے صرف سترہ خط ہیں۔ لیکن منشی مہیش پرشاد مرتب خطوط غالب نے قاضی عبدالجلیل کے صاحبزادے قاضی محمد خلیل کی نوازش سے تیرہ نئے خط حاصل کر لیے ہیں۔ میں نے انھیں بھی اس مجموعہ میں شامل کرلیا۔ ادبی خطوط غالب میں مرقوم ہیں۔ کہ جنون کو ۱۸۹۸ء میں خان بہادر کا خطاب ملا تھا۔ وفات، ۲۰ مئی ۱۹۰۰ء کو ہوئی (تلامذہ غالب)

(۱)

مخدوم مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجلیل صاحب کی خدمت میں بعد ابلاغ سلام مسنون الاسلام کے عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کی ارادت میرا ذریعہ فخر و سعادت ہے۔ دو عنایت نامے آپ کے اوقات مختلف میں پہنچے۔ پہلے خط کے حاشیے اور پشت پر اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ سیاہی اس طرح کی پھیلی کہ حروف اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ اگرچہ بینائی میری اچھی ہے۔ اور میں عینک کا محتاج نہیں، لیکن با ایں ہمہ اس کے پڑھنے میں بہت تکلیف کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ اس کے جگہ اصلاح کی باقی نہیں۔ چنانچہ اس خط کو آپ کی خدمت میں واپس بھیجتا ہوں تا کہ آپ یہ نہ جانیں کہ میرا خط پھاڑ کر پھینک دیا ہوگا۔ اور معہذا میرا اندیشہ آپ کو بدیہی ہو جائے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ اصلاح کہاں دی جائے۔ واسطے اصلاح کے جو غزل بھیجے۔ اس میں بین الافراد و بین المصرعین افاصلہ زیادہ چھوڑیئے۔ اب کے خط میں جو کاغذ اشعار کا ہے حروف اس کے روشن ہیں مگر بین السطور مفقود اور اصلاح کی جگہ معدوم۔ آپ کی خاطر سے رنج کتابت اٹھاتا ہوں اور ان دونوں غزلوں کو بعد اصلاح لکھتا جاتا ہوں۔ مسودہ تو آپ کے پاس ہوگا۔ اس سے مقابلہ کر کے معلوم کر لیجئے گا کہ کس شعر پر اصلاح ہوئی اور کون سی بیت موقوف ہوئی

۔

مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعے میں شہزادگان تیموریہ جمع ہو کر کچھ غزل خوانی کر لیتے ہیں۔ وہاں کے مصرعہ طرحی کو کیا کیجئے گا اور اس پر غزل لکھ کر

کہاں پڑھیے گا۔ میں کبھی اس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا اور یہ صحبت خود چند روز ہے۔۲ اس کو دوام کہاں؟ کیا معلوم ہے اب ہی نہ ہو۔ اب کے ہو تو آیندہ۔ والسلام مع الاکرام ۱۲

۱۸۵۴ء　　اسد اللہ

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۲)

قبلہ،

آپ کو خط پہنچنے میں تردد کیوں ہوتا ہے۔ ہر روز دو چار خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں۔ گاہ گاہ انگریزی بھی اور ڈاک کے ہرکارے میرا گھر جانتے ہیں۔ پوسٹ ماسٹر میرا آشنا ہے۔ مجھ کو جو دوست خط بھیجتا ہے۔ وہ صرف شہر کا نام اور میرا نام لکھتا ہے۔ محلّہ بھی ضرور نہیں۔ آپ ہی انصاف کریں کہ آپ لال کنواں لکھتے رہے اور مجھ کو بلی ماراں میں خط پہنچتا رہا۔

۱؎ یعنی شعروں اور مصرعوں کے درمیان ۲؎ لال قلعہ کے حالات دیکھ کر کتنا صحیح احساس پیدا ہوا۔

یہ اب کے آپ نے حکیم کالے کا نام کیسا لکھا ہے؟ اس غریب کو تو شہر میں کوئی جانتا بھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ خط آپ کو کوئی تلف نہیں ہوا۔ جو آپ نے بھیجا وہ مجھ کو پہنچا۔ جواب لکھنے میں جو میری طرف سے تصور رہوتا ہے۔ اس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت مہینا بھر میں نو پتے لکھتے ہیں۔ میں کہاں تک یاد رکھا کروں؟ ایک مکان ہو تو لکھ رکھوں، دوسرا سبب یہ ہے کہ شوقیہ خطوط کا جواب اب کہاں تک لکھوں اور کیا لکھوں؟ میں نے آئین نامہ نگاری چھوڑ کر مطلب نویسی پر مدار رکھا ہے۔ جب مطلب ضروری التحریر نہ ہو تو کیا لکھوں؟

اب آپ کے خط میں تین مطلب جواب لکھنے کے قابل تھے:

ایک وہ رباعی جو آپ نے اس ننگ آفرینش ۱؎ کی مدح میں لکھی ہے۔ اس کا

جواب بندگی ہے۔ اور کورنش اور آداب، دوسرا مد عا خط کے نہ پہنچنے کا وسوسہ سو اس کا جواب لکھ چکا۔

تیسرا امر جناب مولوی اللہ یار خاں صاحب کا میرے ہاں آنا اور میرا اس وقت مکان میں موجود نہ ہونا۔

واللہ مجھ کو بڑا رنج ہوا۔ اگر آپ سے ملیں تو میرا سلام کہیے گا اور میرا ملال ان سے بیان کیجئے گا۔ صبح کو میں ہر روز قلعے کو جاتا ہوں۔ ظاہرا مولوی صاحب اول روز آئے ہوں گے۔ جب سوار ہو جاتا ہوں۔ تب بھی دو چار آدمی مکان پر ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب بیٹھتے۔ حقہ پیتے۔ اگر قلعے جاتا ہوں تو پہر دن چڑھے آتا ہوں۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں؟

نگاشتہ نہم ربیع الاول ۱۲۷۲ھ مطابق ۲۰۔ نومبر ۱۸۵۵ء از

اسد

(۳)

پیر و مرشد،

فقیر ہمیشہ آپ کی خدمت گزاری میں حاضر اور غیر حاضر رہا ہے۔ جو حکم آپ کا ہوتا ہے۔ اس کو بجالاتا ہوں۔ مگر معدوم کو موجود کرنا میری وسع قدرت سے باہر ہے۔ اس زمین میں کہ جس کا آپ نے قافیہ و ردیف لکھا ہے۔ میں نے کبھی غزل نہیں لکھی، خدا جانے مولوی درویش حسن صاحب نے کس سے اس زمین کا شعر لے کر میرا کلام گمان کیا ہے۔ ہر چند میں نے خیال کیا۔ اس زمین میں میری کوئی غزل نہیں۔ دیوان ریختہ چھاپے کا یہاں کہیں کہیں ہے۔ اپنے حافظہ پر اعتماد نہ کر کر اس کو بھی دیکھا۔ وہ غزل نہ نکلی۔ سنیئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام پر لوگ پڑھ دیتے ہیں۔ چنانچہ انھیں دنوں میں ایک صاحب[۱] نے مجھے آگرے سے لکھا کہ یہ غزل بھیج دیجیے۔

اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں

میں نے کہا لاحول ولاقوۃ۔ اگر یہ کلام میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسی طرح، زمانہ، سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا:

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر، شاباش رحمت خدا کی

---

[۱] یعنی خود میرزا غالب[۲] منشی شیو نرائن آرام جیسا کہ انکے نام کے مکتوب مرقومہ ۲۶۔ اپریل ۱۸۵۹ء میں مذکور ہے۔

میں نے سن کر عرض کیا کہ صاحب، جس بزرگ کا یہ مطلع ہے اس پر بقول اس کے رحمت خدا کی اور اگر میرا ہوتو مجھ پر لعنت اسد اور شیر اور بت اور خدا اور جفا اور وفا میری طرز گفتار نہیں ہے۔ بھلا ان دونوں شعروں میں تو اسد کا لفظ بھی ہے۔ وہ میرا شعر کیوں کر سمجھا گیا۔ واللہ باللہ وہ شعر خدنگ رنگ کے قافیہ کا میرا نہیں ۱۲ والسلام

مرسلہ جمعہ ۲۵ ماہ صیام ۱۲۷۵ھ (۲۹ اپریل سال حال (۱۸۵۹ء) غالب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۴)

حضرت،

کیا ارشاد ہوتا ہے؟ آگے اس سے جو آپ کے اشعار آئے تھے وہ دو دن کے بعد اصلاح دے کر بھیج دے۔ خط ڈاک میں تلف ہو جائے تو میرا کیا گناہ؟ آج آپ کا یہ خط صبح کو آیا۔ میں نے آج ہی دوپہر کو دیکھ کر ڈاک میں بھجوا دیا۔ اب پہنچے یا نہ پہنچے۔

دو باتیں سنیے: طرح بسکون رائے قرشت بہ معنی فریب ہے، لیکن اردو میں یہ لفظ مستعمل نہیں۔ وہ دوسرا لغت ہے۔ طرح بحرکت رائے قرشت، بروزن فرح، اس کو بسکون رائے مہملہ بولنا عوام کا منطق ہے۔ معاذ اللہ اگر تقریر میں اسطرح یعنی بہ سکون بولوں، تو زبان اپنی کاٹ ڈالوں چہ جائے آنکہ نظم میں لاؤں۔ ہاں غزل طرح کی زمین طرح کی یہ بسکون ہے اور بمعنی، روش وطرز طرح ہے بہ فتحتین۔

(دستاں.....) افسانہ نہیں۔ دستاں کے تین معنی ہیں۔ ایک تو رستم کے باپ کا نام اور وہ علم ہے۔ دوسرے..... تیسرے آواز خوش اور یہ جو بلبل ہزار داستاں کہتے ہیں۔ سوقی اور فرمایہ (لوگ کہتے) ہیں۔ صحیح ہزار دستاں ہے، یعنی بہت طرح کی آوازیں بولتا ہے!

جناب مولوی احمد حسن صاحب عرشی ۲ کو میرا سلام پہنچے۔

(۲۸۔ اگست ۱۸۵۹ء)

(۵)

صاحب،

وہ خط جس میں اشعار سید مظلوم کے تھے۔ مجھ کو پہنچنا اور میں نے اس خط کا جواب تم کو بھیجا اور ذکر اشعار قلم انداز کیا۔ فارسی کیا لکھوں۔ یہاں ترکی تمام ہے۔ اخوان و احباب یا مقتول یا مفقود الخبر، ہزار آدمی کا ماتم دار ہوں۔ آپ غمزدہ اور

۱؎ تمام مطبوعہ نسخوں میں یہ خط ناقص چھپا ہے۔ منشی مہیش پرشاد مرتب، خطوط غالب، نے اصل سے مقابلہ کیا تو وہ عبارت بوجہ غیر معلوم حذف ہوگئی جسے اب انھوں نے قوسین میں درج کر دیا ہے۔ جہاں نقطے ہیں اس جگہ کی عبارت کیڑ کھا گیا ہے۔ ۲؎ یہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے بڑے بھائی تھے اور غالب کے شاگرد، حج کے لیے جا رہے تھے۔ بڑودہ میں بیمار ہو کر فوت ہوئے۔ ان کے نام غالب کے خطوط موجود ہیں۔

آپ غمگسار ہوں۔ اس سے قطع نظر کہ تباہ اور خراب ہوں۔ امر ناسر پر کھڑا ہے۔ پابرکاب ہوں۔

طرح بالفتح بمعنے۔ نمونہ، اور بمعنے فریب، سچ لیکن طرح بفتحتین اور چیز ہے۔ غیاث الدین رام پور ایک ملائے مکتبی تھا۔ نا قابل عاقل۔ جس کا ماخذ اور مستند علیہ قتیل کا کلام ہوگا۔ اسکا فن لغت میں کیا فرجام ہوگا؟

کیستم من کہ تا ابد بزیم

لاحول ولاقوۃ! یہ مصرع میرا نہیں۔ تا ابد بزیم، یہ فارسی لالہ قتیل کی ہے۔ میرا

قطعہ یہ ہے:

کیستم من کہ جاوداں باشم
چوں نظیری نہ ماند و طالب مرد
ور بگویند ور کدا میں سال
مرد غالب؟ بگو کہ ، غالب مرد!

یہ مادہ تاریخ ازروے نجوم نہیں، بلکہ ازروے کشف ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

پنجشنبہ ۸۔ستمبر ۱۸۸۹ء غالب

www.Iqbalcyberlibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۶)

حضرت،

بہت دنوں میں آپ نے مجھے یاد کیا۔ سال گزشتہ ان دنوں میں رام پور تھا۔ مارچ ۱۸۶۰ء میں یہاں آ گیا ہوں اور یہیں میں نے آپ کا خط پایا ہے۔ آپ نے سرنامہ پر رام پور کا نام ناحق لکھا۔

حق تعالیٰ والی رام پور کو صدوسی سلامت رکھے۔ ان کا عطیہ ماہ بماہ مجھ کو پہنچتا ہے۔ کرم گستری داستاد پروری کر رہے ہیں۔ میرے رنج سفر اٹھانے کی اور رام پور جانے کی حاجت نہیں، مولوی احمد حسن عرشی کے فراق کو نہیں سمجھا کہ کیوں واقع ہوا۔ بلکہ یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ اور وہ یکجا کہاں تھے اور کب تھے؟ خلیفہ حسین علی صاحب رام پور میں مجھ سے ملے ہوں گے۔ مگر واللہ مجھ کو یاد نہیں۔ نسیان کا مرض لاحق ہے۔ حافظہ گویا نہ دارد، شامہ ضعیف، سامعہ باطل۔ باصرہ۔ میں نقصان نہیں۔ البتہ حدت کو کچھ کم ہو گئی ہے۔ ۲

پیری وصد عیب چنیں گفتہ اند

بہ ہر حال چونکہ میں دلی میں ہوں اور وہ رام پور گئے ہیں تو البتہ آپ کے پیام جوان کی زبان کے محول تھے بدستور ان کی تحویل میں رہے۔ اور مجھ تک نہ پہنچے۔ یہ شہر بہت غارت زدہ ہے۔ نہ اشخاص باقی نہ املاک۔ کتاب فروشوں سے کہہ دوں گا۔ اگر میری نظم ونثر کے رسالوں میں سے کوئی رسالہ آ جائے گا تو وہ مول لے کر خدمت میں بھیج دیا جائے گا۔

۱؎ یہ قطعہ یوں بھی دیکھا اور سنا ہے:

من که باشم که جادواں باشم
چوں نظیری نماند و طالب مرد
در بہ پر سنہ درکدا میں سال
مرد غالب ؟ بگو که غالب مرد

۲؎ یعنی نظر پہلے کی طرح تیز نہیں رہی

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت......الخ

ایک دوست کے پاس بقیہ الھب والغارۃ امیرا کچھ کلام موجود ہے۔ اس سے یہ غزل لکھ کر بھیج دونگا۔

(دلی میں ایک حکیم تھے۔ انکا نصر اللہ خاں نام تھا۔ وہ مر گئے اس نام کا کوئی وکیل عدالت دیوانی بھی میں نے نہیں سنا۔ کیسا ڈیرہ پور، کیسا کانپور۔ اب میں کس سے پوچھتا پھروں کہ نصر اللہ خاں کے تم آشنا ہو یا نہیں؟ جب حضرت کو ان کا مسکن مع عہدہ معلوم ہے۔ تو پھر ان کے احباب کو کیوں ڈھونڈ تے ہو؟

غزلیں اصلاح کے بعد پہنچتی ہیں۔

نجات کا طالب غالب

ننگے پاؤں، واد کے ضمے کو اشباع کیسا؟ یہ تو ترجمہ یا بم کا ہے (یعنی یافتن سے)
اور پھر پاؤں کی یہ املا غلط "پانو"، گانو" "چھانو"
"گھنسیٹے گانون کیسا؟ گھسیٹے گا، اس کی املا یوں ہے۲؎

۲۲۔ فروری ۱۸۶۱ء

(۷)

جناب قاضی صاحب کو بندگی پہنچے۔

عنایت نامہ کے ورود نے شادمان کیا۔ مگر امورِ مبہمہ جو نگارش پذیر تھے۔ انھوں نے حیران کیا۔ ابہام کی توضیح اور اجمال کی تفصیل کا مشتاق ہوں۔ آموں کے باب میں جو کچھ لکھا۔ اہدا کو دوام کیا ضرور ہے۔ خصوصاً جبکہ بذاتِ خود حادث ہو؟ حضرت اب کے سال ہر جگہ آم کم ہے اور جو کچھ ہے وہ خشک اور بے مزہ ہے۔ آم کہاں سے ہو۔ نہ مہاوٹ نہ برسات، دریا پایاب ہو گئے۔ کنویں سوکھ گئے۔ اثمار میں طراوت کہاں سے ہو؟ جناب اس کا خیال نہ فرماویں۔ اپنے کشف کو غلط کردوں گا سہی۔ بہر شکال آئندہ تک جیوں گا۔ آپ کے موہبتی آم کھاؤں گا۔

جون ۱۸۶۱ء جواب کا طالب غالب

(۸)

.....سلامت،

یہ عہدہ آپ کو مبارک ہو اور مجھ کو اسی طرح صدر الصدوری کے منصب کی مبارکباد لکھنی نصیب ہو۔ غزلیں دیکھ کر بھیجتا ہوں۔ اب کے اصلاح کی حاجت کم پڑی۔

بردہ۔ رفتہ، یہ جتنے الفاظ ہیں ان میں ہائے تحتانی نہیں لکھتے۔ پس وہی ہائے انہائی حرکت رہتی ہے۔

۱؎ لوٹ سے بچا ہوا۔ ۲؎ اس خط کے جو حصے قوسین میں ہیں۔ وہ منشی پرشاد نے اصل خط سے مقابلے کے بعد نکالے ہیں۔ پہلے نقل و طباعت میں رہ گئے تھے۔ ۳؎ یعنی مرنے کے متعلق جو پیشگوئی بر بنا رکشف کی ہے اسے غلط ثابت کردوں گا اور مزید جیوں گا۔ مر نہیں جاؤں گا۔

پس اگر وہ ساکن ہے تو تو رفتہ بردہ اس صورت رہے گی اور اگر اس کو حرکت لازم آئے تو علامت حرکت ہمزہ لکھ دیا جائے گا۔ رفتہ آمدہ، اور ان معنوں کے سب صیغوں کا یہی حال ہے۔

پان کا شعر کاٹ ڈالا، وجہ یہ ہے کہ پہلے تو پاں کا نون بے اعلان بروزن، آ ں پسند نہیں کرتا.....!

(۹)

جناب مخدوم ومکرم کو میری بندگی،

تفقد نامہ مرقومہ ۲۱، ستمبر میں نے پایا۔ حضرت کے سلامت حال پر خدا کا شکر بجالایا۔ کوئی محکمہ تخفیف میں آئے۔ کوئی گانو مثلاً لٹ جائے۔ آپ کا عہدہ آپ کو مبارک، آپکا دولت خانہ سلامت، ہاں وہ جو اپنے ابن الحال کا اس محکمہ میں وکیل ہونے کا آپ کو کھٹکا ہے۔ البتہ بجا ہے۔ جب آپ ظاہر کر چکے ہیں۔ تو اس کا اندیشہ کیا ہے؟ حاکم سمجھ لے گا۔ وہ وکیل ہیں۔ محکمہ منصفی میں نہ رہیں گے، محکمہ صدر امین دسشن جج میں کام کریں گے۔

میں نہ تندرست ہوں، نہ رنجور ہوں۔ زندہ بدستور ہوں۔ دیکھیے کب بلاتے ہیں۔ اور جب تک جیتا رہوں اور کیا دکھاتے ہیں؟ والسلام بالوف الاحترام ۱۲

یکشنبہ ۲۹۔ ستمبر ۸۶۱ء

نجات کا طالب، غالب

(۱۰)

از اسد بندگی، برسد، حضرت یہ غزل قطعہ بند ہے۔ پس خطاب مطلع میں چاہیے مطلع دو دو لکھنے، یہ ایجاد ریختہ والوں کا ہے۔

جناب مولوی اساس الدین صاحب کی خدمت میں سلام نیاز،

(۱۱)

''اے مشفق من[3] نامربوط اور قبیح، ٹکسال باہر، اس شعر کو دور کرو۔ اگر کوئی او رشعر ہاتھ نہ آئے اور اسی کو رکھنا چاہو تو یوں رکھو:

گالیا دیتے ہو کیوں مشفق من ، خیر تو ہے؟

(۱۲)

آداب عرض کرتا ہوں اور چاروں غزلیں دیکھ کر، جا بجا حک واصلاح کر کر بھیجتا ہوں

(۱۳)

''خستہ کام'' اور اندیشہ کام'' دونوں لفظ ٹکسال باہر ہین۔ ہاں ''نا کام'' اور دشمن کام'' اور دوست کام'' لکھتے ہیں اور تشنہ کام اور ترکیب ہے۔ کام بہ معنی تالو کے ہے نہ بہ معنی مقصد، و مدعا، کاغذ لفافے میں اس طرح لپیٹا کیجئے کہ کھلنے کی جگہ باقی رہے

---

[1] دوسری وجہ اصل خط میں نہیں لکھی [2] مطلب یہ کہ کب موت کا بلاوا آتا ہے۔ [3] مطلب یہ ہے کہ شعر میں محبوب کو اے مشفق من کہہ کر خطاب کرنا ٹھیک نہیں۔

(۱۴)

''تڑپھنا، ترجمہ ''تپیدن'' کا اعلا یوں ہے، نہ تڑپنا، ہاے فارسی اور نون کے درمیان ہاے مخلوط اللفظ ضرور ہے۔

معشوق کو صاحب لکھنا چاہیے نہ کہ حضرت اور جو ایک دو جگہ اصلاح ہے۔ اس کی توضیح کی حاجت نہیں۔ فارسی غزل، خیر اگر آپ کا جی چاہ تو رہنے دیجئے۔ جس طرح اس میں کہیں سقم نہیں، اسی طرح لطف بھی نہیں۔

(۱۵)

''زبیرون خانہ'' کا لفظ خلاف روزمرہ، علاوہ اس سے یہ احتمال ہوتا ہے مگر خود اس شخص کے گھر میں دخل غیر ہے۔

(۱۶)

جناب مولوی صاحب،

آپ کے دونوں خط پہنچے۔ میں زندہ ہوں، لیکن نیم مردہ۔ آٹھ پہر پڑ رہتا ہوں۔ اصل صاحب فراش میں ہوں۔ بیس دن سے پانو پر ورم ہو گیا ہے۔ کف پا و پشت پا سے نوبت گزر کر پنڈلی تک انا اس ہے۔ جوتے میں پاؤں سماتا نہیں۔ بول و براز کے واسطے اٹھنا دشوار۔ یہ سب باتیں ایک طرف، درد مخلل روح ہے۔ ۱۲۷۷ھ میں میرا نہ مرنا، صرف میری تکذیب کے واسطے تھا، مگر اس تین برس

میں ہر روز مرگ نو کا مزہ چکھتا رہا ہوں۔ حیران ہوں کہ کوئی صورت زیست کی نہیں۔ پھر میں کیوں جیتا ہوں؟ روح میری اب جسم میں اس طرح گھبراتی ہے، جس طرح طائر قفس میں،

کوئی شغل، کوئی اختلاط، کوئی جلسہ کوئی مجمع پسند نہیں، کتاب سے نفرت شعر سے نفرت، جسم سے نفرت، روح سے نفرت یہ جو لکھا ہے۔ بے مبالغہ اور بیان واقع ہے:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم

ایسے مخمصے میں اگر تحریر جواب میں قاصر رہوں تو معاف ہوں۔

صبح جمعہ یکم محرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۹۔ جون ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب، غالب

۱؎ آپ تو جیہات کے پر لطف ہونے پر غور کریں۔ پہلے پیشگوئی کی کہ ۱۲۷۷ھ میں مر جاؤں گا اور خود ہی تاریخ بھی کہہ لی۔ بعد میں کہا کہ یہ پیشگوئی از روے نجوم نہیں۔ بلکہ از روے کشف ہے۔ جب یہ پوری ہوئی تو کہا وبا پھیل گئی تھی اور مرگ عام میں مرنا میرے لیے کسر شان کا باعث تھا اس لیے نہ مرا۔ اب فرماتے ہیں کہ وہ پیشگوئی اس لیے غلط ثابت ہوئی کہ میری تکذیب ہو، میں نے جو غیر مناسب دعوی کیا تھا۔ اس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے۔

(۱۷)

جناب قاضی صاحب کو میری بندگی،

مکرمی مولوی غلام غوث خاں صاحب بہادر میر منشی کا قول سچ ہے! ۔ اب میں تندرست ہوں برس دن صاحب فراش رہا ہوں۔ ستر برس کی عمر، جتنا خون بدن میں تھا۔ بے مبالغہ آدھا اس میں سے پیپ ہو کر نکل گیا۔ سن نمو کہاں جواب پھر تولید دم صالح ہو؟ بہر حال زندہ ہوں اور ناتواں اور آپ کی پرسش ہائے دوستانہ کا ممنون احساں، والسلام مع الاکرام ۱۲

دوشنبہ ۱۸۔ جمادی الثانی ۱۲۸۰ھ

نجات کا طالب غالب

مطابق سی ام نومبر ۱۸۶۳ء

(۱۸)

قبلہ،

مجھے کیوں شرمندہ کیا؟ میں ثناء و دعا کے قابل نہیں۔ مگر اچھوں کا شیوہ ہے بروں کو اچھا کہنا۔ اس مدح گستری کے عوض میں آداب بجالاتا ہوں ۱۲۲

شنبہ ۱۵۔ دسمبر ۱۹۶۳ء

نجات کا طالب غالب

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱۹)

جناب قاضی صاحب کو سلام اور قصیدہ کی بندگی۔

اگر مجھے قوت ناظمہ[۳] پر تصرف باقی رہا ہوتا تو قصیدے کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھتا۔ بات یہ ہے کہ اب رنجور نہیں، تندرست ہوں، مگر بوڑھا ہوں۔ جو کچھ طاقت باقی تھی۔ وہ اس ابتلاء میں زائل ہوگئی۔ اب ایک جسم بے روح متحرک ہوں۔

یکے مردہ شخصم بمردی رواں

اس مہینے یعنی رجب ۱۲۸۰ھ سے سترھواں برس شروع اور راسقام وآلام کا شیوع[۴] ہے۔ لاموجود الا اللہ ولاموثر فی الوجود الا اللہ ۱۲

---

[۱] منشی غلام غوث خاں بے خبر سے مکتوب الیہ کو معلوم ہوا کہ میرزا اب اچھے ہیں اور یہ بات میرزا کو لکھ بھیجی[۲] اس سے ظاہر ہے کہ مکتوب الیہ نے میرزا کی مدح میں قصیدہ بھیجا تھا[۳] مطبوعہ نسخوں میں قوت ناطقہ ہے۔ خطوط غالب'' قوت ناظمہ ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس لیے کہ ایک فقرے کے دو ٹکڑوں کے اختتام پر شروع کی تکرار اسے اچھی نہ لگی۔ مرتب خطوط غالب نے شروع لکھا لیکن غالب نے شیوع بہ قافیہ شروع لکھا ہوگا۔ میں نے اصل خط نہیں دیکھا لیکن یقین ہے کہ شیوع ہی ہوگا۔

بست وہفتم رجب ۱۲۸۰ھ

ہفتم جنوری ۱۸۶۴ء

نجات کا طالب غالب

(۲۰)

مہ شوال کو کیا دیکھے جنون غمگین
خنجر ناز نہیں، ابرے خمار نہیں

پیر و مرشد،

ماہ شوال کو خنجر و شمشیر سے کیا علاقہ؟ ہلال رمضان دیکھ کر تلوار کو دیکھتے ہیں اور ہلال شوال دیکھ کر سبز کپڑا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اشعار بہت ہیں۔ ان میں سے کسی کو دیکھ کر مقطع کر دیجیے

ہفتم فروری ۱۸۶۴ء غالب

(۲۱)

غزل سراسر ہموار اور ذوق انگیز ہے۔ ایک شعر میں ایک لفظ بنایا گیا۔ ایک شعر کا پہلا مصرع بدل دیا گیا۔ مومن خاں کے اس مصرع میں تردد کیا گیا ہے:

تم سے دشمن کی مبارک باد کیا

''سے'' بہ معنی ''از'' نہیں ہے بلکہ بہ معنی ''مثل'' و مانند ہے۔ یعنی چوں تو دشمن اگر تہنیت دہد بر آں چہ اعتبار؟''

وصل کے وعدے سے ہو دل شاد کیا
تم سے دشمن کی مبارک باد کیا

یعنی اگر تم نے کہا کہ لو مبارک ہو، کل ہم آئیں گے یا تجھے بلائیں گے۔ ہم ایسے وعدے سے کیا خوش ہوں؟ تم جیسے دشمن کی مبارک باد دینے سے کیا ہوتا ہے؟

۱۹۔ مارچ ۱۸۶۴ء غالب

(۲۲)

سہسوان کے صاحب، اگر قاطع برہان کا جواب لکھتے ہیں خدا ان کو توفیق دے کہ عبارت کے معنی سمجھ لیں،

تب جواب لکھیں، والسلام!

چہارم اپریل ۱۸۶۴ء

---

۱ یہ کون صاحب تھے؟ انھوں نے جواب لکھا یا نہ لکھا؟ اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ بہ ہر حال سہسوان کے کسی صاحب کا جواب چھپا نہیں

حضرت سلامت،

میاں قدرت اللہ کا تردد بجا، پیش از صبح صادق، نماز کیسی؟ یہ کاتب اول کی خوبی اور نقل کرنے والوں کی غفلت ہے۔ اصل فقرہ یہ ہے:

خود بدولت پیش از صبح صادق برخاستہ، بعد بانگ صلوۃ، با جماعت فضلا نماز صبح ادا کردہ۔ بہ جھروکہ درشن تشریف مے آوردند،

حضرات نے بہ نفس بڑھا دیا اور برخاستہ کو بجر اٹھا دیا۔ صبح صادق سے پہلے یعنی دو تین گھڑی رات رہے اٹھتے اور ضروریات سے فراغت کرتے۔ وضو کے مراسم بجالاتے۔ جب موذن دیتا جماعت کی نماز پڑھتے۔ رفع حوائج ضروریہ کو برخاستہ کے بعد مقدور چھوڑ جانا بلاغت ہے۔ یعنی اس وقت کے افعال بول و براز ہیں۔ انکا ذکر مکروہ طبع ہے اور بہ نسبت پادشاہ خصوصا۔

اور یہ جو فقیر بہ نفس نفیس، کو غلط کہتا ہے۔ یہاں ایک دقیقہ ہے یعنی بہت کام ایسے ہیں کہ آدمی آپ بھی کرسکتا ہے۔ اور خادم سے بھی لے سکتا ہے۔ مثلا چلم پر آگ دھرنا یا پایخانہ میں لوٹا لے جانا اور بہت کام ایسے بھی ہیں کہ ہر شخص کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرا نیابتہ نہیں کرسکتا۔ مثلا حقہ پینا یا پایخانہ جانا۔ سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ پس افعال مشترکہ میں بہ نفس نفیس، لکھ سکتے ہیں۔ اور افعال مخصوصہ میں بہ نفس نفیس کی قید لغو اور پوچ اور مہمل ہے۔

میں کیا کروں؟ فی الحال دو دمان معنی کا وہ حال ہے۔ جو ہندوستان کاغذ رکے

بعد ہوگیا۔ جہلا جانتے نہیں، علما اعتنا نہیں کرتے۔ چھاپے کو توقیع الٰہی سمجھتے ہیں۔ نسخہ مطبوعہ میں غلطی کا احتمال جائز نہیں رکھتے۔ کاپی نویس کے جرم میں مصنف بیچارہ ماخوذ ہوتا ہے۔

۸۔ مئی ۱۸۶۴ء   داد کا طالب، غالب

قبلہ،

ایک سو بیس آم پہنچے۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے۔ دس قلمیں اور چھٹا نک بھر سیاہ کہار کے حوالہ کر دی ہے۔

---

۱ سبحان اللہ کیا دقیقہ سنجی اور نکتہ نوازی ہے۔ یہ ہے شان علم و نظر کہ ایک ایک لفظ کے عمل کے محل و موقع اور معنویت کی پوری دنیا نظروں کے سامنے ہے۔ بہ نفس نفیس۔ ویسے بھی بے محل ہے لیکن اس لیے بھی بے محل ہے کہ جن افعال کے موقع پر استعمال ہوا۔ وہ پادشاہ کی ذات سے علاقہ رکھتے تھے اور ذاتی افعال میں جو کسی نوع کا اشتراک غیر قبول نہیں کرتے۔ بہ نفس نفیس کی قید حشو تھی ۲ غالب کی یہ فریاد بھی بالکل درست ہے

خدا خیر کرے بحفاظت آپ کے پاس پہنچے۔ میں مریض نہیں ہوں۔ بوڑھا ہوں اور ناتواں، گویا نیم جان رہ گیا ہوں۔ ایک کم ستر برس دنیا میں رہا۔ کوئی کام دین کا نہیں کیا۔ افسوس ہزار افسوس !! ۱۲

سہ شنبہ ۲۸۔ جون ۱۸۶۴ء

نجات کا

طالب، غالب

(۲۵)

جناب عالی!

وہ غزل جو کہا رلایا تھا وہاں پہنچی جہاں میں جانے والا ہوں یعنی عدم مدعا یہ کہ گم ہوگئی۔۱۲

گھات میں مدعا برادی کی
تم نے غیروں کی غمگساری کی

تقدیم و تاخیر مصرعتیں کر کے رہنے دو اس میں کوئی سقم نہیں۔ مدعا برادی کا یتھوں کا لفظ ہے۔ میں اس طرح کے الفاظ سے احتراز کرتا ہوں، مگر چونکہ من حیث المعنی یہ لفظ صحیح ہے۔ مضائقہ نہیں۔

قطرہ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا
خط جام مے سراسر رشتہ گوہر ہوا

اس مطلع میں خیال ہے دقیق، مگر کوہ کندن و کاہ بر آوردن یعنی لطف زیادہ نہیں۔ قطرہ ٹپکنے میں بے اختیار ہے۔ بقدر یک مژہ برہم زون ثبات و قرار ہے۔ حیرت ازالہ حرکت کرتی ہے۔ قطرہ مے افراط حیرت سے ٹپکنا بھول گیا۔ برابر برابر بوند میں جو تھم کر رہ گئیں تو پیالی کا خط بہ صورت اس تاگے کے بن گیا۔ جس میں موتی پروئے ہوں۔

لیتا، نہ اگر دل تمہیں دیتا، کوئی دم چین
کرتا، جو نہ مرتا کوئی دن، آہ و فغاں اور

یہ بہت لطیف تقدیر ہے۔ لیتا کو ربط ہے چین سے کرتا مربوط ہے۔ آہ و فغاں سے عربی میں تعقید لفظی و معنوی دونوں معیوب ہیں۔ فارسی میں تعقید معنوی عیب اور تعقید لفظی جائز ہے۔ بلکہ فصیح و بلیغ، ریختہ تقلید ہے فارسی کی۔ حاصل معنی مصرعین یہ کہ اگر دل تمہیں نہ دیتا کوئی دم چین لیتا۔ اگر نہ مرتا تو کوئی دن اور آہ و فغاں کرتا!

مانا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

یعنی اگر تیرا ماننا آسان نہیں تو یہ امر مجھ پر آسان ہے۔ خیر تیرا ماننا آسان نہیں، نہ سہی نہ ہم مل سکیں گے، نہ کوئی اور مل سکے گا۔ مشکل تو یہ ہے کہ وہی تیرا ماننا دشوار بھی نہیں۔ جس سے تو چاہتا ہے، مل بھی سکتا ہے، ہجر کو تو ہم نے سہل کر لیا تھا۔ رشک کو اپنے اوپر آسان نہیں کر سکتے۔

تعقید لفظی ہو یا معنوی ہر زبان میں معیوب ہے اور میرزا کا شعر اس سے مستثنیٰ نہیں۔

حسن اور اس پہ حسن ظن، رہ گئی بو لہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد، غیر کو آزمائے کیوں

مولوی صاحب کیا لطیف معنی ہیں، داد دینا، حسن عارض اور حسن ظن، دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں، یعنی صورت اچھی ہے اور گمان اس کا صحیح ہے، کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ گمان کو بہ نسبت اپنے ہے کہ میرا مارا کبھی نہیں بچتا اور میرا تیر غمزہ خطا نہیں کرتا۔ پس جب اس کو اپنے اوپر ایسا بھروسا ہے تو رقیب کا امتحان کیوں کرے؟ حسن ظن نے رقیب کی شرم رکھ لی۔ ورنہ یہاں معشوق نے مغالطہ کھایا تھا۔ رقیب

عاشق صادق نہ تھا۔ ہوسناک آدمی تھا۔ اگر پاے امتحان درمیان آتا تو حقیقت کھل جاتی۔

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم
کہیو سلام میرا اگر نامہ بر ملے!

یہ مضمون کچھ آغاز چاہتا ہے یعنی شاعر کو ایک قاصد کی ضرورت ہوئی، مگر کھٹکا یہ ہے کہ قاصد کہیں معشوق پر عاشق نہ ہو جائے۔ ایک دوست اس عاشق کا ایک شخص کو لایا اور اس نے عاشق سے کہا کہ یہ آدمی وضع دار اور معتمد علیہ ہے۔ میں ضامن ہوں کہ یہ ایسی حرکت نہ کریگا۔ خیر اس کے ہاتھ خط بھیجا گیا۔ قضا را عاشق کا گمان سچ ہوا۔ قاصد معشوق کو دیکھ کر والہ و شیفتہ ہو گیا۔ کیسا خط، کیسا جواب، دیوانہ بن، کپڑے پھاڑ جنگل کو چل دیا۔ اب عاشق اس وقوعے کے بعد ندیم سے کہتا ہے کہ غیب دان تو خدا ہے۔ کسی کے باطن کسی کو کیا خبر؟ اے ندیم تجھ سے تو کچھ کلام نہیں، لیکن اگر نامہ بر کہیں مل جائیں۔ تو اسکو میرا سلام کہیو کہ کیوں صاحب، تم کیا کیا دعوے عاشق نہ ہونے کے کر گئے تھے اور انجام کار کیا ہوا؟

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

اس میں کوئی اشکال نہیں۔ جو لفظ میں وہی معنی ہیں۔ شاعر اپنا قصد کیوں بتائے کہ میں کیا کروں گا؟ مبہم کہتا ہے کہ کچھ کروں گا۔ خدا جانے شہر میں یا نواح شہر میں تکیہ بنا کر فقیر ہو کر بیٹھ رہے یا دبس چھوڑ کر واپس چلا جائے۔

۲۴۔ اگست ۱۸۶۴ء

پیرومرشد،

نواب صاحب کا وظیفہ خوار، گویا اس در کا فقیر تکیہ دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہنیت کے واسطے رام پور آیا۔ میں کہاں اور بریلی کہاں، ۱۳۔ اکتوبر کو یہاں پہنچا۔ بشرط حیات دسمبر تک دہلی جاؤں گا۔ نمایش گاہ بریلی کی سیر کہاں اور میں کہاں! خود اس نمایش گاہ کی سیر ہے۔ جس کو دنیا کہتے ہیں۔ دل بھر گیا۔ اب عالم بے رنگی کا مشتاق ہوں۔ لا الہ الا اللہ، لا موجود الا اللہ۔

ا مطلب ظاہر ہے کہ غالب جب دوسری رام پور گئے تو قاضی عبدالجمیل نے بریلی کی دعوت دی۔ یہ بھی لکھا کہ (باقی صفحہ ۴۴۸) پر

لا موثر فی الوجود اللہ،

۷۔ نومبر ۱۸۶۵ء

نجات کا طالب غالب

(۲۷)

آداب بجا لاتا ہوں۔آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔غزلیں دیکھی گئیں۔فقیر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کلام میں اس قام واغلاط دیکھتا ہوں۔تو رفع کر دیتا ہوں اور اگر سقم سے خالی پاتا ہوں تو تصرف نہیں کرتا۔پس قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان غزلوں میں کہیں اصلاح کی گنجائش نہیں۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۲۸)

سبحان اللہ، سر آغاز فصل میں ایسے ثمر ہائے پیش رس کا پہنچنا نوید ہزار گونہ میمنت وشادمانی ہے۔ یہ ثمر رب النوع اثمار ہے۔ اس کی تعریف کیا کروں؟ کلام اس بات میں کیا چاہتا ہوں کہ میں یاد رہا اور اہدا کا آپ کو خیال آیا۔ پروردگار با ایں ہمہ رواں پروری وکرم گستری ویاد آوری سلامت رکھے۔ جمعہ کے دن کو دوپہر کے وقت کہار پہنچا۔ اسی وقت خط کا جواب لے کر اور آم کے دو ٹوکرے دے کر روانہ ہو گیا۔ یہاں سے حسب الحکم اس کو کچھ نہیں دیا گیا۔ خاطر جمع رہے۔

(جون ۱۸۶۶ء)

خوشنودی کا طالب، غالب

(۲۹)

غزل کے بھیجنے میں دیر لگی۔ قصور معاف ہو۔ جو میرے عزیز بریلی میں وارد ہیں اور ان سے آپ ملتے ہیں۔ ان کا نام آپ لکھیں تو کمال مہربانی ہو۔

غالب

(۳۰)

جناب مولوی صاحب کو فقیر اسد اللہ کا سلام،

میرزا محمد رضا بیگ ے ماموں (ماموں؟) میرزا علی جان کے پوتے اور میرزا حنیف بیگ کے بیٹے اور میرے بھتیجے ہیں۔ میرزا وقار علی بیگ اکسٹرا اسسٹنٹ سے پوچھا چاہیے کہ میرزا علی بیگ مرحوم رئیس آگرہ انکے کون ہوتے تھے اور محمد علی بیگ جو لارڈ الن برا بہادر کے زمانے میں دلی کے منصف ہوتے تھے۔ وہ میرزا وقار علی بیگ کے کون تھے میں نے ان صاحبان کو دیکھا نہیں، محمد علی بیگ کو دیکھا ہے۔ وہ ماموں میرزا علی جان بیگ مرحوم کے نواسے اور میرے بھانجے ہوتے تھے۔ پس اگر اکسٹرا اسسٹنٹ بہادر محمد علی بیگ کے بھائی ہیں تو وہ بھی میرے بھانجے ہیں۔

چہار شنبہ یکم اکتوبر ۱۸۶۶ء   غالب

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴۷ یہاں نمایش ہو رہی ہے اسے بھی آ کر دیکھیے ۔ بہ خط معذولت میں لکھا گیا! نباتات و حیوانات میں سے ہر نوع کی پرورش نگہداشت کا فرشتہ۔ ۲ بظاہر یہ وہی ہیں جن کے متعلق خط نمبر ۲۹ میں استفسار کیا گیا ہے ۔ ماموں کا تعلق میرزا علی جان بیگ سے ہے ۔

عبدالرزاق شاکر

عبدالرزاق نام، شاکر تخلص، اپنے آپ کو جعفری الحیدری لکھتے تھے۔ جیسا کہ غالب کی تحریر سے ظاہر ہے گورکھ پور کے رہنے والے تھے۔ غالبا وکالت کرتے تھے۔میرزا محمد عسکری نے تحریر فرمایا ہے کہ اپنے وقت کے مشہور وکیلوں میں سے تھے۔اور غالب انھیں اشرف الوکلاء کہتے تھے۔ مالک رام صاحب نے تلامذ غالب میں لکھا ہے کہ ان کے جد اعلیٰ عرب سے غزنی پہنچے ۔ پھر ان کے اخلاف میں سے ایک صاحب شاہان شرقی کے زمانے میں جون پور آئے۔ بعدازاں اس خاندان کی ایک شاخ پھلواری شریف جابسی، دوسری نے مچھلی شہر میں توطن اختیار کیا۔شاکر کا تعلق آخری شاخ سے تھا۔والد کا نام بعدالوہاب،شاکر عربی اور فارسی کے بہت بڑے فاضل تھے۔جعفری الحیدری کے علماء جعفر الزبنی بھی لکھتے ہیں کیونکہ آپ حضرت زینتؓ بنت حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی اولاد سے تھے۔ پہلے وکالت کرتے تھے ۱۸۷۳ء میں سرکاری ملازمت قبول کر کے تدریجا ترقی کرتے کرتے عدالت خفیفہ کی ججی پر فائز ہوئے۔۱۸۶۴ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر علی گڑھ میں سکونت اختیار کر لی۔ جون ۱۹۱۴ء میں بمقام مچھلی شہر انتقال کیا۔ اسی برس کی عمر پائی۔ تین بیٹے یادگار چھوڑے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔میرزا غالب ہی کی زمین میں فارسی کا ایک شعر ہے:

حضرے دہلی مقام حضرت غالب چوشد

غیرت شیراز و رشک اصفہان نامیدش

غالب کی تحریرات سے مترشح ہوتا ہے کہ شاکر بڑے پایے کے عالم تھے ۔ انکے نام جتنے خطوط بھیجے گئے ان میں سے کسی پر تاریخ درج نہیں لیکن عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ۱۸۶۰ء سے بعد کے ہیں ۔ بعض کی تاریخیں بہ آسانی معین کی جاسکتی ہیں ۔ مثلاً خط نمبر ۳ غالباً ۱۸۲۴ ہی میں چھپے تھے ۔ خط نمبر ۷ یقینی طور پر اوائل اکتوبر ۱۸۶۵ء کا ہے ۔ جبکہ غالب نواب کلب علی خاں مرحوم کے جشن میں شرکت کی غرض سے رام پور جانے والے تھے ۔ خط نمبر ۸ بلاشبہ رام پور سے لکھا گیا ۔ اس لیے کہ اس میں میرزا رحیم بیگ مولف ، ساطع برہان دلی پہنچ کر ڈھونڈوں گا ۔

خط نمبر ۹ جنوری ۱۸۶۶ء کا ہے ۔ کیونکہ اس کے آغاز میں رام پور سے مراجعت کا ذکر ہے ۔ خط نمبر ۱۰ یکم اپریل ۱۸۶۶ء کا مرقومہ ہے ۔ اس میں صرف تاریخ درج ہے ۔ سال درج نہیں ، لیکن چونکہ آخر مکتوب میں درفش کا دیانی ، کا ذکر ہے ۔ جو غالب کے سفر رام پور کے دوران میں چھپی تھی یعنی اواخر ۱۸۱۵ء میں لہذا سال کے تعین میں وقت نہیں ہوسکتی ۔

(۱)

مخدوم مکرم، مظہر الطف و کرم، جناب مولوی صاحب، اشرف الوکلاء درویش گوشہ نشین، غالب حزیں کا سلام آپ کے عنایت نامے کے ورود سے میں آپ کا احسان مند ہوا اور دل سے آپ کو دعائیں دیں۔ کیوں حضرت، آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ یہ شخص اتنا فضول اور لغو کیوں ہے؟ خط کے پہنچنے سے اظہار منت پذیری اگر گراف نہیں تو کیا ہے؟ اب اس خوشی اور دعائیں دینے کی وجہ سنیے ۔یعنی آپ کے سبب میں نے اپنے والا برادر از جاں عزیز بہ دل نزدیک و از دیدہ دور، نامہربان، بخود مغرور میر قاسم علی خاں[۱] کا رقعہ اپنے نام کا پایا۔ اللہ اللہ، اگر آپ باعث نہ ہوتے تو بھائی صاحب کاہے کو مجھ کو خط لکھتے۔ انھیں سے پوچھیے کہ کبھی تم نے اسد کو خط لکھا ہے؟ موجب نازش کا ہے۔ آپ کی تحریر کا جواب لکھتا ہوں۔

آپ کا واسطے اصلاح کے رجوع کرنا میری طرف، موجب نازش کا ہے۔ میرا طریق اس فن خاص میں یہ ہے کہ جو شعر بے عیب ہوتا ہے اس کو بدستور رہنے دیتا ہوں۔ اور جہاں لفظ کے بدلے لفظ لکھتا ہوں۔ اس کی وجہ خاطر نشان کر دیتا ہوں تا کہ آیندہ صاحب کلام اس قسم کے کلام میں خود اپنے کلام کو مصلح رہے۔ مطلع کا یہ مصرع:

سر خوش و سر شار و مستم ملیلی[۲]

لسان فارسی میں سرشار صفت سے پیالے کی معنی لفظی اس کے لبریز پس

شارب کولبریز کیوں کر کہیں گے؟ اور یہ جو اردو میں، مست وسرشار مترادف المعنی استعمال میں آتے ہیں، امر جداگانہ ہے۔ فارسی میں تتبع اردو کا جائز،

''رند عالم سوز شعرائے عجم بمعنی رند بے نام ونگ آیا ہے جیسا کہ استاد کہتا ہے؟

رند عالم سوز را بامصلحت بینی چہ کار

حسن مطلع سست تھا۔ مے رسد بر بادہ، الخ، بر شیشہ یہاں انسب ہے۔ از لحد چوں خاک جستم الخ خاک کو جستن کیا علاقہ! نقد جاں را مہر بستم یللی، تعقید معنوی ہے۔ طالب لہدالستم، الخ طالب عہد الست، یعنی عہد الست کس سے مانگتا ہے، ہاں سرخوش عہد الست بہ محل و بر موقع۔

متوقع ہوں کہ میرا یہ رقعہ جو آپ کے نام کا ہے۔ جناب میر قاسم خاں صاحب کو پڑھا دیجئے گا اور اب جو آپ مجھے خط لکھیں تو یہ بھی لکھیے گا کہ ہنوز وہ صدر امین ہیں یا ترقی کی اور صدر الصدور ہو گئے اور اگر ترقی نہیں کی تو کیا وجہ؟ ۱۲

(۲)

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی عبدالرزاق صاحب شاکر کی خدمت میں

بعد سلام یہ التماس ہے کہ مولوی صاحب عالی شان مولی مفتی اسد اللہ آبادی بن مفتی کریم قلی، ولادت ۱۲۳۰ھ، مولانا فضل رسول بدایونی اور بعض دوسرے باقی صفحہ ۱۵۴ پر مفتی صاحب سے کہیے کہ مجھ باوجود شدت نسیان آپ کا تشریف لانا یاد ہے۔ چھاپے کے اجزاء اٹھا کر میں نے آپ کے سامنے ایک غزل اپنی پڑھی تھی۔ جس کے دو شعر قطعہ بند ہیں:

ارزند گوہرے چو من اندر زمانہ نیست
خود را بخاک رہ گزر حیدر فگنم
منصور فرقہ علی اللہیان منم
آوازہ انا اسد اللہ در فگنم

خدا کرے حضرت کو بھی یہ واقعہ یاد ہو اتحاد اسمی دلیل مودت روحانی ہے۔

اخی مکرم میر قاسم کو سلام پہنچے۔ سال گزشتہ کی تعطیل کی طرح دلی آ کر مجھ سے بے ملے نہ چلے جایئے گا۔ پھر حضرت مکتوب الیہ سے کام ہے۔ اشعار بعد حک و اصلاح کے پہنچتے ہیں۔ یہ رتبہ میری ارزش کے فوق ہے کہ میں آپ کے کلام میں دخل وتصرف کروں۔ بندہ نواز فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہ۔ پیرانہ سری وضعف کے صدموں سے محنت پژوہی وجگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں ہے۔ حرارت غریزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے:

مضمحل ہو گئے قوی غالب

وہ عناصر ہے میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں، سب کو، جن سے خط و کتابت رہتی ہے۔ اردو ہی میں نیاز نامے لکھا کرتا ہوں۔ جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط و مکاتیب لکھے اور بھیجے تھے۔ ان میں جو صاحب الی الان ذی حیات و موجود ہیں۔ ان سے بھی عند الضرورت اسی زبان مروج میں مکاتیب و مراسلت کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔ پارسی مکتوبوں، رسالوں، نسخوں اور کتابوں کے مجموع شیرازہ بستہ، چھاپا ہو کر اطراف و اقصائے عجم میں پھیل گئے۔ حال کی نثروں کو کون فراہم کرنے جائے، جانکنی کے خیالات نے مجھ کو ان کی تحریر و تعلق و بار سے دست بردار و آزاد و سبک دوش کر دیا۔ جو نثریں کہ مجموع دیکجا ہو کر جہاں جہاں منتشر ہو گئی ہیں اور آیندہ ہوں۔ انھیں کو جناب حدیث جلت عظمتہ مقبول قلوب اہل سخن و مطبوع طبائع ارباب فن فرمائے اور میں انتہائے عمر ناپائدار کو پہنچ کر آفتاب لب بام اور ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے زندہ درگور ہوں۔ کچھ یاد خدا بھی چاہیے۔ نظم و نثر کے قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا۔ اگر اس نے چاہا تو قیامت تک میرا نشان باقی و قائم رہے گا۔ پس امیدوار ہوں کہ آپ انھیں نذور محقرہ یعنی تحریرات روزمرہ اردوے سادہ سرسری کو تا امکان غنیمت جان کر قبول فرماتے رہیں اور درویش ولریش و فرد ماندہ کشاکش معاصی کے خاتمہ بخیر ہونے کی دعا مانگیں۔ اللہ بس ماسوی ہوس۔ ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵۰) اساتذہ سے تعلیم پائی۔ پہلے عدالت صدر آگرہ قاضی القضاۃ

رہے۔ پھر جون پور میں صدر الصدور ہو گئے تھے۔ یکم جمادی الاولی ۱۳۰۰ھ کو جون پور میں وفات پائی۔ محلّہ چتر ساری کے قبرستان میں دفن ہوئے۔[۱] ہم نام ہونا۔ میرزا کا نام بھی وہی تھا۔ جو مفتی صاحب کا تھا۔[۲] مطبوعہ دیوان میں ''وہ کی جگہ'' اب ہے:

اب عناصر میں اعتدال کہاں

تعقید معنوی کو حضور خود جانتے ہوں گے۔ اس کی توضیح و تفصیل میں تحصیل حاصل و تطویل لاطائل کی صورت نظر آتی ہے، لہذا خامہ فرساں بروے کار نہیں آئی۔ ۱۲

(۳)

حضرت، تین دوستوں نے مولف محرق پر جس کا نام، صاحب تپ محرق رکھا گیا ہے جوتی پیزار کی ہے۔ایک رسالہ جو موجود تھا۔بھیجا جاتا ہے۔وہ دو نسخے بھی اگر بہم پہنچ گئے تو بھجوادوں گا۔غزل بعد اصلاح کے بھیجی جاتی ہے۔طرز فقیر مبارک ہو۔۱۲

۱۸۶۴ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۴)

حضرت، مطالب علمی وشعری کا لکھنا موقوف سوال پر ہے۔ جب حضور کی طرف سے آئی سوال آئے گا، بقدر اپنے معلوم کے جواب لکھا جائے گا:

ہیں اپنے گناہ ، مزیل امید

ایماں کہاں ہے ، ایک ڈر ہے

اس شعر میں قصد اچھا ہے، مگر بیان ناقص ہے۔ مطلب تو یہ ہے کہ صرف خوف اصل ایمان نہیں، رجا کا بھی شمول چاہیے اور یہ بات اس تقریر میں نکلتی نہیں۔

(۵)

پیرومرشد،

ایک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے

یہ خبر ہے، پہلا مصرع:

ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے

یہ مبتدا ہے۔ شب غم کا جوش، یعنی اندھیرا ہی اندھیرا، ظلمت غلیظ، سحر ناپید، گویا خلق ہی نہیں ہوئی۔ ہاں، ایک دلیل، صبح کے وجود پر ہے یعنی بجھی ہوئی شمع، اس راہ سے کہ شمع و چراغ صبح کو بجھ جایا کرتے ہیں۔ لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیل صبح ٹھہرایا۔ وہ خود ایک سبب ہے منجملہ اسباب تاریکی کے۔ پس دیکھا چاہیے۔ جس گھر میں علامت صبح موید ظلمت ہوگی۔ وہ گھر کتنا تاریک ہوگا۔

محرق قاطع، سید سعادت علی نے غالب کی کتاب، قاطع برہان کے رد میں لکھی تھی۔ یہ مطبع احمدی واقع شاہدرہ (دہلی) میں چھپی تھی۔ اب بہت کمیاب ہے۔ اس کے رد میں مولوی نجف علی نے دافع ہذیان سیاح نے لطائف غیبی اور عبدالکریم نے سوالات شائع کیے یہی تین دوست ہیں جس کا ذکر مکتوب میں آیا ہے۔ حقیقتہ آخری دور سالے خود میرزا کے تھے

متقابل ہے مقابل میرا

رک گیا ، دیکھ روانی میری

تقابل و تضاد کو کون نہ جانے گا۔ نور ظلمت، شادی و غم، راحت و رنج، وجود عدم

مقابل اس مصرع میں بہ معنی مرجی ہے۔ جیسے حریف کہ بمعنی دوست کے بھی مستعمل ہے۔ مفہوم شعر یہ کہ ہم اور دوست از روے خوے و عادت ضد جدگر ہیں۔ وہ میری طبع کی روانی دیکھ کر رک گیا۔

غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ آپ اپنی طرف سے اس کو استصلاح سمجھتے ہیں اور میں اس کو اپنی جانب سے استفادہ جانتا ہوں۔ والسلام ۱۲

(۶)

فقیر اسد اللہ نے اس کاغذ کے لفافے پر مرسلہ محمد عبدالرزاق جعفری الحیدری اورٹکٹ پر شاکر دیکھ کر دیر تک غور کی کہ یہ دو صاحب ہیں بعد تامل یاد آیا کہ مولوی عبدالرزاق صاحب اسم شریف اور شاکر تخلص ہے۔ غور کیجئے کہ نسیان کا کیا عالم ہے۔ واللہ اگر مجھ کو یاد ہو کہ سابق میں کوئی غزل آپ کی آئی ہے یہ لفافہ لکھا ہوا یکم اگست۔ سال حال کا کل میں نے ڈاک سے پایا۔ آج غزل کو دیکھا۔ کل یہ لفافہ روانہ کروں گا۔

کوئی نہیں آگے ترے ہمتا ہوکر
آئینہ جب نظر آیا ہے تو اندھا ہوکر

یہ مطلع دلنشین ہے مگر اتنا تامل ہے کہ آئینہ کو اندھا کہنا چاہیے یا نہیں؟

مردم چشم سید جب نظر آتا ہے ترا
بیٹھا جاتا ہے میرے دل میں سویدا ہوکر
حرمت مے کے لیے پیر مغاں کا ہے یہ حکم
ریش قاضی کی رہے پنبہ مینا ہوکر

یہ شعر بے لطف ہوگیا کس واسطے کہ جب قاضی کی ریش کہی تو وہ ابہام ریش کہاں رہا ۱۲۔

کارگاہ ہستی میں۔ الخ ۳

داغ ساماں مثل انجم انجمن، وہ شخص کا داغ جس کا سرمایہ و سامان ہو۔

موجودیت لالے کی منحصر نمایش داغ پر ہے ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ہوتا ہے۱۲۔ بعد اس کے یہ سمجھ لیجئے کہ پھول کے درخت یا غلہ جو کچھ بویا جاتا ہے۔ دہقان کو جو تنے ، بونے ، پانی دینے میں مشقت کرنی پڑتی ہے۔ اور ریاضت میں لہو گرم ہو جاتا ہے۔ مقصود شاعر کا یہ ہے کہ وہ جو محض رنج و عنا ہے مزارع کا وہ مہو جو کشت و کار میں گرم ہوا ہے۔ وہی لالہ کی راحت کے خرمن کا برق ہے۔ حاصل مو جودیت، داغ اور داغ مخالف راحت اور صورتِ رنج۔

---

۱ مطلب یہ ہے کہ نام کے ساتھ، جعفری الحیدری، کے اضافے کے باعث یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ کوئی اور صاحب ہیں اور ان کی کوئی غزل بہ غرض اصلاح نہیں آئی۔ ۲ پہلے شعر شاکر کے تھے جن میں حک و اصلاح ہوئی۔ اب میرزا غالب شاکر کے استفسار پر اپنے بعض شعروں کی شرح کرتے ہیں۔ پہلا شعر پورا یہ ہے:

کار گاہ ہستی میں، لالہ داغ ساماں ہے
برق خرمن راحت، خوں گرم دہقاں ہے
غنچہ تا شگفتنہا!..... الخ

کلی جب نئی نکلے بصورت قلب صنوبری نظر آئے اور جب تک پھول بنے، برگ عافیت معلوم۔ یہاں معلوم معدوم ہے اور برگ عافیت بمعنی مایہ آرام:

برگ عیسیٰ بگور خویش فرست

برگ اور سر و برگ بہ معنی ساز و سامان ہے۔ خواب گل بہ اعتبار خموشی و بر جا زندگی۔ پریشانی ظاہر ہے یعنی شگفتگی۔ وہی پھول کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا۔ غنچہ بصورت دل جمع ہے۔ باوصف جمعیت دل گل کو خواب پریشاں نصیب ہے۔

ہم سے رنج۔۔۔۔۔الخ

پشت وست، صورت عجز، اور خس بدنداں وبادبنداں گرفتن، بھی اظہار عجز ہے۔ پس جس عالم میں کہ داغ نے پشت دست زمین پر رکھ دی اور شعلہ نے تنکا دانتوں میں لیا ہو۔ ہم سے رنج واضطراب کا تحمل کس طرح ہو،

قبلہ ابتدائے فکر سخن میں بیدل[3] واسیر[4] وشوکت[5] کے طرز پر ریختہ لکھتا تھا۔ چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ تھا:

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا

اسد اللہ خاں قیامت ہے

پندرہ برس کی عمر میں پچیس برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا۔ ک دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔ آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا۔ اوراق ایک قلم چاک کیے۔ دس پندرہ شعر واسطے نمونہ کے دیوان حال میں رہنے دیے۔[6]

بندرہ پرور، اصلاح نثری کی ضرورت نہیں۔ آپ کی انشا کی یہ روش خاص، دلچسپ اور بے عیب ہے۔ اس وضع کو نہ چھوڑ دیئے اور جو میرا تتبع اور مجھ ہر توجہ منظور ہو تو پنج آہنگ وغیرہ میری مصنفات کو یہ امعان نظر وصرف ہمت ملاحظہ فرمائیے اور مشق بڑھائیے۔ چشم بد دور، طبیعت حضور کی نہایت عالی اور مناسب اس فن کے ہے۔ میں آپ کی رسائی، ذہن اور قوت قلم سے امید قوی رکھتا ہوں۔ کہ عنقریب بہت خوب لکھیے گا۔ میرے اور تمام دوستوں کے فخر اور دشمنوں کے رشک ہو جائیے گا اوران من برکتہ معلم یا مولانا وبالفضل والکمال اولانا۔[12]

یکم اگست ۱۸۶۵ء

پورا شعر یہ ہے

غنچہ تا شگفتا، برگ عافیت معلوم
باوجود دلجمعی، خواب گل پریشاں ہے

۲ ہم سے رنج بے تابی کس طرح اٹھایا جائے
داغ، پشت ودست عجز، شعلہ کس بدنداں ہے

۳ میرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی ۴ میرزا جلال اسیری اصفہانی ۵ شوکت بخاری
۶ یہ صریح تردید ہے، آب حیات کی اس روایت کو کہ میرزا غالب کے اردو اشعار کا انتخاب مولانا فضل حق خیر آبادی اور میرزا خانی کوتوال نے کیا تھا۔

(۷)

قبلہ و کعبہ،

فقیر پا در رکاب ہے۔ سہ شنبہ، چہار شنبہ ان دونوں دنوں میں سے ایک دن عازم رام پور ہوا۔ تقریب وہاں کے جانے کی رئیس مرحوم کا ماتم اور رئیس حال کی تہنیت، دو چار مہینے وہاں رہنا ہوگا۔ اب جو کوئی خط آپ بھیجیں تو رام پور بھیجیں، مکان کا پتا لکھنا ضرور نہیں۔ شہر کا نام اور میرا نام کافی ہے۔

مخمس بعد اصلاح بھیجا جاتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ شعر آپ کہتے ہیں اور حظ میں اٹھاتا ہوں۔ حسن اتفاق سے اصلاح خمسہ کے وقت دوست غمگسار زیار روفا شعار علامہ روزگار، ختم العلماء المتبحرین مولوی مفتی صدر الدین دہلی خان صاحب بہادر، صدر الصدور المخلص بہ آزرو، دام بقاءو زاد علاوہ کہ مجھ سے ملنے غم خانے پر تشریف لائے ہوئے موجود تھے۔ خمسے کو دیکھ کر پسند فرمایا۔ حضور کی بلاغت کی تحسین کی، عربی مصرعوں کے میرے ساتھ شریک غالب ہو کر مزے لوٹے اور آپ کی شیرینی گفتار کے وصف میں تا دیر عذب البیان و رطب اللسان رہے۔ اور مجھ سے بقدر میرے معلوم و بیان کے آپ کی صفات حمیدہ سے واقف و آگاہ ہو کر بہت شاد و خرسند ہوئے۔ مبارک ہو۔ با دیدہ و غائبانہ یعنی محض مشتاقانہ۔ تمنائے ملاقات بہ عجز و نیاز لکھنے کو ارشاد کر گئے ہیں۔ لہذا میں لکھتا ہوں۔ قبول فرمایئے گا

اکتوبر ۱۸۶۵ء

(۸)

قبلہ،

پہلے معنی ابیات کے سنیے:

نقش فریادی[۳]..... الخ

ایران میں رسم ہے کہ وادخواہ کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے۔ جیسے مشعل دن کو جلانا یا خون آلودہ کپڑا بانس پر لٹکا کر لے جانا۔ بس شاعر خیال کرتا ہے۔ کہ نقش کس کی شوخی تحریر کا فریادی ہے کہ جو صورت تصویر ہے۔ اس کا پیرہن کاغذی ہے؟ یعنی ہستی اگر چہ مثل تصاویر اعتبار محض ہو۔ موجب رنج و ملال و آزار ہے۔

''شوق ہر رنگ[۴]..... الخ''

رقیب، بہ معنی مخالف یعنی شوق سروسامان کا دشمن ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قیس جو زندگی میں ننگا تھا۔ تصویر کے پردے میں بھی ننگا ہی رہا۔ لطف یہ ہے کہ مجنوں کی تصویر باتن عریاں ہی کھینچتی ہے۔ جہاں کھینچتی ہے۔

---

[۱] نواب یوسف علی خاں ناظم [۲] نواب کلب علی خاں نواب

---

[۳] پورا شعر یہ ہے

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

[۴] شوق ہر رنگ رقیب سروسامان نکلا

قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

''زخم نے داد دی.....الخ

یہ ایک بات میں نے اپنی طبیعت سے نئی نکالی ہے جیسا کہ اس شعر میں:

نہیں زریعہ راحت جراحت پیکاں

وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیے

یعنی زخم تیر کی توہین بسبب ایک رخنہ ہونے کے اور تلوار کے زخم کی تحسین بسبب ایک طاق سا کھل جانے کے، زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی یعنی زائل نہ کا تنگی کو۔ پر افشاں بہ معنی بے تاب اور یہ لفظ تیر کے مناسب حال ہے۔ معنی یہ کہ تیر تنگی دل کی داد کیا دیتا؟ وہ تو خود ضیق مقام سے گھبرا کر پر افشاں اور سراسیمہ نکل گیا۔

نامہ غالب ۲ کا مکتوب الیہ رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ کتاب پڑھ نہیں سکتا۔ سن لیتا ہے۔ عبارت لکھ نہیں سکتا۔ لکھوا دیتا ہے۔ بلکہ اس کے ہم وطن کہتے ہیں کہ قوت علمی بھی نہیں رکھتا۔ اوروں سے مدد لیتا ہے۔ ۳ اہل وہلی کہتے ہیں کہ مولوی امام بخش صہبائی کا تلمذ نہیں ہے۔ اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو ان کا شاگرد بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ واے اس ہیچ و پوچ پر جس کو صہبائی کا تلمذ موجب عز و قار ہو۔ رسالہ اس کا ساطع برہان ولی پہنچ کو ڈھونڈوں ہے گا۔ اگر مل گیا تو خدمت میں پہنچے گا۔

جناب مستطاب میر قاسم علی خاں صاحب صادق القول ہیں۔ میرے گھر آئے ہوں گے۔ دووازہ بند پایا ہو گا۔ مگر ایک خدشہ ہے کہ حضرت میں اور میرے بھائی میرزا علی بخش خاں میں بہت ربط و اتحاد تھا۔ اور وہ مرحوم، خدا بیش بیا مرزا،

کذب وگزاف میں ضرب المثل تھا۔اس تصور سے اگر میں اس جملے کے سچ جاننے میں تامل کروں تو میرا تاتل بے جا نہ ہوگا۔ بہ ہر حال ان کو میرا سلام کہیے گا۔''

''سیلاپ چی، ایک لفظ ہے ہندیان فارسی دان کا۔اصل لغت چلچی ہے۔اور یہ لغت ترکی ہے۔معہذا حباب آسمان، جب تک کہ آسمان کو بحر یا دریا نہ کہیں۔ حباب آسمان نہ مقبول نہ مسموع ۵؎ دنات مسموع ہے اگر فتح الف کا اشباع جائز ہو۔ ورنہ، دنات پروری، کی جگہ، ادنی پروری بہتر ہے۔ بلکہ دناعت بہ ہر حال صفت ہے۔پرورش موصوف کی چاہیے۔نہ صفت کی۔والسلام

(اواخر ۱۸۶۵ء)

۱؎ زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی یارب
تیر بھی سینہ بسمل سے پر افشاں نکلا

۲؎ نامہ غالب میرزا نے رحیم بیگ مولف، ساطع برہان کے نام لکھا تھا۔۳؎ میرا خیال ہے کہ میرزا غالب کی مجلس میں مختلف اصحاب پڑھا لکھا تھا اور کسی علمی کتاب کے سلسلے میں دوسروں سے مدد لینا محل اعتراض نہیں ہوسکتا اسکے حالات کے لیے دیکھیے۔نامہ غالب کے آغاز کی عبارت ۴؎ ظاہر ہے کہ خط رام پور سے لکھا گیا۔۵؎ حباب آسماں، شاکر نے ایک شعر میں باندھا تھا۔ جیسا کہ اگلے خط میں واضح ہوگیا ہے۔

(۹)

قبلہ،

آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا۔ ۸۔ جنوری کو فقیر پہنچا۔ تھکا ماندہ، خستہ، رنجور، ہنوز افاقت کلی نہیں پائی۔ آج سجدم ہوا بند ہے۔ دھوپ تیز ہے۔ پشت بآفتاب تکیہ کے سہارے سے بیٹھا ہوا یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ غزل پہنچی ہے، گوند میں لتھڑ کر ایک ٹکڑا کاغذ کا الگ ہو گیا ہے۔ حضرت باحتیاط کو لفافے سے نکالیں۔

ہے تمہارا آفتابہ آفتاب آسماں
دیکھ لو اپنی چلمچی میں حباب آسماں

اگر پسند آئے تو اس مطلع کو یوں رہنے دیجئے۔

مولوی نظام الدین گنجوی علیہ الرحمتہ کا ایک شعر طالب علموں کے ہاتھ پڑا۔ انھوں نے از روے قواعد نحو اس میں کلام کرنا شروع کیا۔ مولوی کے پاس جب وہ کلمانت پہنچے تو فرمایا۔ یاراں! شعر ابمدرسہ کہ برد۔''

جو صاحب یہ فرماتے ہیں کہ پہلا مصرع مبتدا نہیں ہو سکتا۔ ان سے پوچھا چاہیے کہ کیا آپ اسی پہلے مصرعے میں سے (ظلمت کدے میں میرے) اس کو مبتدا اور (شب غم کا جوش ہے) اس کو خبر ٹھہراتے ہیں پس اگر یوں ہے تو بھی مدعا حاصل ہے۔ دوسرا مصرع دوسری خبر ہی۔ آخر یہ بھی تو مسلمات فن نحو میں سے ہے کہ ایک مبتدا کی دو بلکہ زیادہ خبریں ہو سکتی ہیں۔ ہاں ایک قاعدہ اور ہے یعنی جملہ فعلیہ کے ماقبل جو عبارت ہوتی ہے۔ اس کو مبتدا نہیں کہتے۔ اس مطلع کا مصرع ثانی

جملہ اسمیہ ہے۔ اپنے ماقبل مبتدا کو قبول کرتا ہے۔ اگر ہم نے اس دستور پر مصرع اول کو مبتدا کہا تو بھی قباحت لازم نہیں آتی۔ بہ ہر حال جو وہ صاحب اسی پہلے مصرع کو قرار دیں۔ وہ مجھے قبول ہے۔ مگر شعر میرا مہمل نہیں۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں بھائی میر قاسم علی خاں صاحب کو بندگی ۱۲

جنوری ۱۸۶۶ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱۰)

قبلہ! اس عنایت نامے کا، جو مارچ گزشتہ میں پایا ہے۔ آج یکم اپریل کو جواب لکھتا ہوں۔ گویا نماز صبح قضا پڑھتا ہوں۔ جناب مولوی غلام مجل غوث خاں بہادر میر منشی لفٹنٹ گورنری غربلک وشمال کا کیا کہنا ہے۔ حسن وسیرت وہ، جو بعد ریاضت شاقہ اور بعد تحصیل فضائل اربعہ ملکہ عدالت وحکمت وشجاعت وعفت حاصل ہوتا ہے۔ اس دانا دل بیدار مغز کو فطرت نے وہ ودیعت کیا ہے۔ حسن صورت وہ کہ جو دیکھے پہلی نظر میں حسن خلق ولطف طبع اس کو نظر آئے۔

فقیر ہمیشہ مورد اعتراضات رہا ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعد دو چار دن کے معترض صاحب کا خط آیا ہے۔ لغت وترکیب معترض فیہ کی سند کے اشعار حضرت نے اس خط میں درج کیے ہیں۔ اللہ اللہ، جو کلکتہ میں شور نشور اٹھا تھا۔ میرا شعر:

ایعنی رام پور سے دہلی

جز وے از عالم و از ہمہ عالم بیشم
ہمچو موے کہ بتا را ز میاں بر خیزد

خستہ جو اجتہاے اعتراض ہوا ہے۔ منشا اعتراض یہ کہ عالم مفرد ہے۔ اس کا ربط ہمہ کے ساتھ بحسب اجتہاد قتیل ممنوع ہے قضارا اس زمانے میں شاہزادہ کامران درانی کا سفیر گورنمنٹ میں آیا تھا کفایت خاں اس کا نام تھا۔ اس تک یہ قصہ پہنچا۔ اس نے اساتذہ کے اشعار پان سات ایسے پڑھے ہیں، جن میں ہمہ عالم وہمہ روز

وہمہ جامر قوم تھا اور وہ اشعار قاطع برہان میں مندرج ہیں۔۲

ہاں صاحب، قاطع برہان، میں اور مطالب بڑھائے اور ایک دیباچہ دوسرا لکھا اور درفش کاویانی، اس کا نام رکھا اور اس کو چھپوایا۔ ایک مجلد کا آج اس خط کے ساتھ ڈاک میں بھیجتا ہوں۔ بعد پہنچنے کے اس کو دیکھے گا اور اکثر وقت فرصت پیش نظر رکھے گا اور جس دن پہنچے۔ اسی دن یا اس کے دوسرے دن رسید لکھے گا اور اگر اور صاحب اس کے طالب اور خریدار ہوں تو مجھ کو لکھیے گا۔ دس پانچ دو چار جلد بھیج دوں گا۔ یہ نسخہ میری طرف سے آپ کی نذر غزل پھر بھیجوں گا۔

(یکم اپریل ۱۸۶۶ء)

میر غلام حسنین قدر بلگرامی

میر غلام حسنین نام میر خلف علی کے فرزند ارجمند، سادات بلگرام میں سے تھے۔ ۱۲۴۱ھ (۱۸۳۳) میں پیدا ہوئے۔ ایک بزرگ نے نام تجویز کیا ،جس سے تاریخ بھی نکلتی ہے۔ چنانچہ قدر نے خود ایک رباعی میں کہا ہے:

سو جان سے ہوں فدائے نام حسین
ہے چشم و دل و جگر مقام حسین ؑ
ہم روز ولادت سے ہوئے نام آور
تاریخی نام ہے، غلام حسینؑ

ابتدائی تعلیم بلگرام میں پائی، اس عہد میں شعر و شاعری کو لوازم علم میں سمجھا جاتا تھا۔ یہ بھی شعر کہنے لگے۔ پھر لکھنو پہنچے اور شاہ غازی الدین حیدر کی بیگم سرفراز محل کی سرکار میں منشی ہوئے۔ یہاں امان علی سحر سے اصلاح لیتے رہے۔ ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ کے غزل پر لکھنو سے واپس چلے گئے۔

غالباً اسی زمانے میں بہ وسیلہ مکاتبت میرزا غالب سے تلمذ اختیار کیا۔ اس لیے کہ میرزا نے جو پہلا

---

۱ شاہزادہ کامران شاہ محمود کا بیٹا اور تیمور شاہ ابن احمد شاہ درانی کا پوتا تھا۔ تیمور شاہ سے چند سال بعد اس کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی۔ جسمیں زمان شاہ درانی، شاہ شجاع اور شاہ محمود نے بڑا حصہ لیا۔ اس میں احمد شاہی سلطنت کمزور ہوگئی۔ اور بارک زئی خاندان برسر اقتدار آ گیا۔ کامران مدت تک ہدایت

خط قدر کے جواب میں لکھا ہے۔ اس میں سلطنت لکھنو کی تباہی پر اظہار افسوس کیا ہے۔ اور یہ ۲۳ فروری ۱۸۵۷ء کا مرقومہ ہے۔ اس وقت دہلی کی سلطنت کا ڈھانچہ قائم تھا۔ تیموریوں کی عظمت اگرچہ مٹ چکی تھی۔ لیکن اس کا نشان باقی تھا۔ دوسرے خط میں قلعے جانے کا ذکر ہے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں قدر بلگرام ہی میں تھے۔ اس کے بعد کچھ مدت پنجاب میں گزاری۔ پھر لکھنو چلے گئے اور شیخ امداد علی بحر سے اصلاح لینے لگے۔ اس دوران میں میرزا غالب سے بھی استفادے کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ خود کہتے ہیں:

سیکھے و برق سے بندش کے بند
پھر غالب و بحر نے بتائے پیوند
مجھ سا بھی زمانے میں نہ ہوگا اے قدر
بدنام کنندہ نکو نامے چند

غالب کے بھانجے میرزا عباس بیگ سے اس زمانے میں خاص تعلق پیدا ہوا تھا۔ جب وہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں بلگرام پہنچے تھے۔ میرزا عباس بیگ ضلع ہردوئی میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے تو میر قدر نے غالب سے سفارشی خط بھی منگوایا اور محکمہ تعلیم میں ملازمت حاصل کر لی۔

پھر یہ ملازمت چھوڑ دی اور میرزا ہی کی سفارش پر منشی نولکشور کے مطبع میں تصحیح کی خدمت پر مامور رہے بعد ازاں کیننگ کالج لکھنو میں فارسی کے

پروفیسر مقرر ہوئے۔ یہیں ایک پانڈے سے عروض ہندی یعنی پنگل کی تعلیم پائی۔ ۱۸۸۴ء میں نواب میر محبوب علی خاں کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کیا اور حیدرآباد بلائے گئے چار سو روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہوگئی۔ لیکن بیمار ہو گئے۔ علاج کے لیے لکھنو آئے۔ بلگرام میں وفات پائی۔

(۲۳۔ ذی قعدہ ۱۳۰۱ھ، ۱۴۔ ستمبر ۱۸۸۴ء

ایک مرتبہ میرزا غالب سے ملنے کے لیے دہلی بھی آئے تھے۔ دبلے پتلے اور پست قد تھے۔ سر پر پٹے تھے۔ جو گردن کے پاس سے گھومے ہوئے تھے۔ انھیں بل دیتے رہتے تھے۔ لباس بہت نفیس پہنتے تھے۔

انکے متعدد تصانیف ہیں مثلاً مثنوی، قضا و قدر، شرح قصائد عرفی، نظم الارکان فی تقطیع ابیات گلستان، مصطلحات اردو کلیلہ، نظم دیوان جو غزلیات و قصائد پر مشتمل ہے۔ ۱۳۰۸ء میں بمقام آگرہ چھپا۔ ایک قابل ذکر کتاب قواعد العروض ہے۔ جس کے ساتھ ہندی کی عروض بھی شامل ہے۔ یہ کتاب قدر نے سید علی بلگرامی کی فرمائش پر لکھی تھی۔

(۱)

بندہ پرور،

آپ کے عنایت نامے کے آنے سے تین طرح کی خوشی مجھ کو حاصل ہوئی ۔ایک تو یہ کہ آپ نے مجھ کو یاد کیا۔دوسرے آپ کی طرزِ عبارت مجھ کو پسند آئی ۔ تیسرے یہ کہ آپ حضرت علامہ عبدلجلیل اور آزاد مغفور کی یادگار ہیں اور میں

ا؎ مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی جو عربی اور فارسی کے یگانہ ادیب اور شاعر تھے اور ان کی کئی تصانیف چھپ چکی ہیں (باقی صفحہ ۴۶۰ پر)

ان کے حسن کلامکو معتقد، خواہش آپ کی کیا ممکن ہے۔ کہ مقبول نہ ہو، جب مزاج میں آئے نظم ونثر بھیج دیں۔ میں دیکھ کر بھیج دیا کروں گااور آرایش گفتار یعنی و اصلاح میں دریغ نہ ہوگا۔

بارہ برس کی عمر سے نظم ونثر میں کاغذ مانند اپنے نامہ اعمال کے سیاہ کررہاہوں ۔ باسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ پچاس برس اس شیوے کی ورزش میں گزرے۔اب جسم و جان میں تاب وتواں نہیں۔نثر فارسی لکھنی یک قلم موقوف ، اردو ، سو اس میں بھی عبارت آرائی متروک، جوزبان پر آوے وہ قلم سے نکلے۔پانو رکاب میں ہےاور ہاتھ باگ پر، کیالکھوں اور کیا کروں؟ یہ شعر اپنا پڑھا کرتا ہوں ۔

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

آپ ملاحظہ فرمائیں ہم اورآپ کس زمانے میں پیدا ہوئے ہیں؟ اور کی فیض

رسانی اور قدر دانی کو کیا روئیں؟ اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہیں۔ تباہی ریاست اودھ نے آنکہ بیگانہ محض ہوں، مجھ کو اور بھی افسردہ دل کر دیا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ سخت ناانصاف ہوں گے وہ اہل ہند، جو افسردہ دل نہ ہوئے ہوں گے، اللہ ہی اللہ ہے۔

کل آپ کا خط آیا۔ آج میں نے جواب لکھا تا کہ انتظار جواب میں آپ کو ملال نہ ہو۔ والسلام مع الکرام،

نگاشتہ بست وسوم فروری ۱۸۵۷ء اسد اللہ

(۲)

حضرت،

میں نے چاہا کہ حکم بجالاؤں اور عبارت کو اصلاح دوں، مگر کیا کروں؟ آپ غور کریں کہ اصلاح کی جگہ کہاں ہے؟ اگر بہ مثل آپ خود نظر ثانی میں کوئی لفظ بدلا چاہیں تو ہرگز جگہ نہ پائیں۔ جس کاغذ پر اصلاح منظور ہوتی ہے۔ تو بین السطور زیادہ چھوڑتے ہیں۔ جب اس عبارت کو اور کاغذ پر نقل کروں۔ تب جا کر حک واصلاح کا طور بنے۔ میرا کلام اصلاح عبارت ہے۔ نہ کتابت

''زردشت، آتشکدہ، الخ زروشت کو آتشکدہ سے وہ نسبت، نہیں جو ساقی کو میخانے سے، زردشت باعتقاد مجوس پیمبر تھا۔ آتشکدہ کے پجاری کی موبد اور ہیربد کہتے ہیں۔

''آب حرام اشتیاق، آب حرام شراب کو محل مناسب پر کہیں تو کہیں ورنہ بادہ رحیق و مے و راوق کی طرح اسم نہیں۔ ناچار، شراب شوق یا بادہ شوق لکھنا چاہیے۔ اشتیاق سے شوق بہتر ہے۔

''ماہم دوسہ جاگی علی التواتر زدہ بودم، مازوہ مادم، تمہارا دل اس ترکیب کو قبول کرتا ہے؟ منزدہ بودم یا مازدہ بودیم، اس سے علاوہ دوسہ جاگی بکاف فارسی یعنی چہ؟ جام معلوم کاف تصغیر کا جامک، چاہیے۔ جاگ، کیا مگر یہ پیروی قتیل کی ہے کہ وہ ایرانیوں کی تقریر کے موافق تحریر بناتا ہے۔ ظہوری، جلال، ظہیر طاہر وحید،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵۹) ۵۔ صفر ۱۱۱۶ھ (۲۹۔ مئی ۱۷۰۴ء میں بعہد عالمگیر پیدا

ہوئے۔ ۱۷۸۶ء میں وفات پائی۔ ان کے تذکرے مثلاً غز اللہ عامرہ، سرو آزاد، مآثر الکرام، اور عربی دیوان نیز سبحۃ المرجان مشہور کتابیں ہیں حسان الہند، لقب تھا۔ میر عبدالجلیل آزاد کے نانا تھے۔

کسی کے ہاں جام کو جا مک نہیں لکھا۔ دوسہ جاگی کی جگہ دوسہ ساغر یا دوسہ قدح لکھو۔

باچناری گلستان برغبان است و تیماری اور برقدر داناں، میں اس فقرے کو نہیں سمجھا۔ یعنی برغبان کیا ہے، تیماری کیا ہے؟ تیمار یعنی بیمار داری، وغم دخواری ہے۔ جب یہ لفظ خود افادہ بہ معنی مصدوری کرتا ہے۔ تو یائے مصدوری کیسی؟

''تیرہ شمی ہا بسر آمد، تیرہ شبہا بسر آمد، خیر، تیرہ شبے بسر آمد، یعنی چہ؟

لیلا اے دیدم کہ باہزار طرہ طرار، طرہ زلف کو کہتے ہیں۔ وہ دو ہوتی ہے۔ نہ کہ ہزار در ہزار۔

''جاگی مکرر دیکھا گیا۔ معلوم ہوا۔ حضرت نے جو کہیں۔ جاگی خوار، دیکھا ہے تو اس کو، جام خوار بہ معنی شراب خور سمجھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ جاگی خوار اس نوکر کو کہتے ہیں کہ جس کی تنخواہ کچھ نہ ہو۔ روٹی کپڑے پر اس سے کام لیتے ہوں۔ نظامی نوکر حضرت خضر کے کتنا روز یہ سخن پاتے ہیں۔ جو خضر فرماتے ہیں:

تو اے جاگی خوار تدبیر من
ز جام سخن چاشتی گیر من

''در توبہ باز است و باب رحمت فراز، معنی اس کے یہ کہ توبہ کا در کھلا ہے۔ اور دروازہ رحمت کا بند ہے۔ ''فراز'' اضداد میں سے نہیں ہے۔ باز کھلا فراز بند۔

''قدر زعفران زار را بوے گل کرو۔ اس کا لطف کچھ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ قدر زعفران زار کیا؟ اور پھر اس کو کس نے بوے گل کر دیا؟

''سہ کرر، کدام زبان است؟ عربی یا فارسی؟

''حسب لیاقت خود'' کافی است۔ ''خودم'' چہ محل دار؟ مگر ہماں شیوہ قتیل۔

''بندہ مجبورم'' ہماں سلسلہ قتیل۔

صاحب بندہ تحریر میں اساتذہ کی تحریر کا تتبع کرو۔ نہ یہ کہ مغل کے لہلے کا لہجے کا تتبع بھانڈوں کا کام ہے۔ نہ دبیروں کا اور شاعروں[1] کا۔ زیادہ زیادہ۔

جناب نوروز علی صاحب کی خدمت میں میرا سلام نیاز عرض کیجئے گا کہ بیرنگ خط کا ایک آنہ دینا پڑے گا، ہر مہینے میں آٹھ خط تک بلکہ سولہ خط تک میں نہ گھبراؤں گا۔ بھیجے۔

رہا جواب کا لکھنا۔ کاش آپ یہاں ہوتے اور میرا حال دیکھتے تو جانتے۔ ہر روز صبح کو قلعہ جانا، دوپہر کو آنا۔ بعد کھانا کھانے کے حضرت[2] کے مسودوں کا درست کرنا۔ احباب کو خط لکھنے کی فرصت بہت کم ہاتھ آتی ہے۔ والسلام (۱۸۵۷ء)

---

[1] سبحان اللہ کیا خوب فرمایا [2] میرا دے ہے بہادر شاہ بادشاہ

(۳)

سوال:

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

ناسخ:

رہن رکھوا کر ترا عمامہ دلوادوں شراب
زاہد تجھ کو کروں مرہون احسان تو سہی

اس ''سہی اور تو سہی کا ترجمہ فارسی لغت میں کیا آیا ہے؟ ۱۲

قدر

جواب:

اسماء کے یا لغات کے واسطے یہ بات ہے کہ عربی میں یہ کہتے ہیں اور فارسی میں یہ اور ہندی میں یہ طرز گفتار۔ ہندی کی فارسی یا فارسی کی ہندی کبھی نہیں ہوسکتی ۔مثلاً چوری کا گڑ میٹھا۔اس کی فارسی نہ پوچھے گا۔مگر نادان۔سہی اور تو سہی کی فارسی کیوں کر بنے؟ یہ روزمرہ اردو ہے۔

گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

اس مطلب کے مطابق فارسی عبارت یوں ہوسکتی ہے۔ وصل اگر نیست حسرت نیز عالمے وارد!

زاہدا تجھ کو کروں مرہون احساں تو سہی

اے نوع کی تنبیہ ایک قسم کا دعوی ہے۔ نامرد باشم اگر فلاں کار نکنم، یا فلاں ل کا نکنم نیا سایم، اہل ہند کی فارسی اس طرح خام اور ناتمام رہی کہ اصول میں انھوں نے فارسی کے قواعد کی تطبیق عربی سے چاہی اور اردو کے خاص روزمرے کی فارسی بنایا کیے۔ ہندی میں کچھ نہیں کی جگہ ''خاک نہیں'' بولتے ہیں۔ فارسی میں ہیچ نیست، کی جگہ ''خاک نیست'' کبھی کوئی نہ کہے گا۔ قتیل چاروں شانے چت گرا ہے:

کشتہ برکشتہ تپاں بود دگر خاک نبود

یعنی ہیچ نبود، لاحول ولاقوۃ

ایک جگہ سے مجھ کو خط آیا۔ چونکہ میں بلی ماراں کے محلے میں رہتا ہوں۔ اس نے پتا لکھا کہ، درمحلّہ گربہ کشاں[1]''

واہ فارسی! ۱۲

مردم ازمن داستاں رانند واز دوران چراغ
گشت صرف طعمہ زاغ و زغن عنقاے من

---

[1] محلے کا نام بلی ماراں تھا یعنی ملاحوں کا محلّہ۔ کسی نے بلی کو بلی سمجھ لیا اور گربہ کشاں لکھ دیا۔

(۴)

قدر:

کاٹ کا غیروں کا سرلائے جو میری نذر کو
ڈال دوں سونے کا آنڈو پانو میں جلاد کے

''آنڈو'' بہ دال ہندی یا بہ دال عربی؟ بھائی واللہ یہ لفظ کبھی میری زبان پر نہیں آیا۔ میں اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ ہاں سنا ہے کہ فلانا سردار ایسا بہادر و ثابت قدم تھا کہ معرکہ کارزار میں ہاتھی کے پاؤں میں آنڈو۔ ڈلوادیے۔ ظاہرا کوئی چیز ہوگی کہ ہاتھی کے مانع رفتا ہو۔ اس سیبہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص بند ہے۔ استعمال اس لفظ کا محل انعام میں نہیں چاہیے۔

آبستن، و آبست، کے باب میں یہ قول معترض کا غلط ہے کہ آبست کو بجاے۔ آبستن جائز سمجھنا ہے۔

''آبست کوئی لفظ نہیں ہے۔ آبستن اصل لفظ اور آبستنی، مزید علیہ، یہ دونوں صحیح۔ بلکہ آبست ی زیادہ فصیح۔ اگر معترض فیضی کو نہیں مانتا۔ تو آپ معترض کو کیوں مانتے ہیں؟ فیضی کی سند مقبول اور مسموع۔ ارمغان و ارمغانی آبستن و آبستنی اے یہ تو فارسی لغت ہیں۔ فارسی گویوں نے حضور کو حضوری اور فضول کو فضولی اور نقصان کو نقصانی لکھا ہے۔

آج تک سنا نہیں کہ رب یا کسی نے لکھا ہو۔ ہاں کبریاے الٰہی یعنی خدا کی بزرگی، اس نظر پر۔ رب کبیر لکھیں گے۔ نہ رب کبریا صفت واقعی ہے۔ لیکن اگر صفت سے موصوف مراد رکھیں تو ممکن ہے جیسا زید عادل، جناب کبریا، بجاے،

جناب الٰہی ۔'' ایک نکتہ دقیق ہے ۔ یعنی مذہب حقہ امامیہ میں مجموع صفات عین ذات ہیں ۔ اگر ہم نے خدا کو محض قدرت یا محظ عظمت کہا تو موافق ہدایت نبی ﷺ اور ائمہؑ کے ہمارا قول درست ہے ۔

'' حال کی جگہ حالات یا احوال لکھنا قبیح نہیں ہے ، خصوصا احوال کہ یہ بہ معنی واحد مستعمل ہے ۔ اور یہ استعمال یہاں تک پہنچا ہے کہ احوال بہ معنی جمع مستعمل نہیں ہوتا ۔ جیسے حور کہ بہ معنی حورا کے ہے ۔ اہل فارس اس کو صیغہ واحد قرار دے کر الف نون کے ساتھ اس کی جمع لاتے ہیں ۔ سعدی کہتا ہے :

حوران رقص کناں ساغر شکرانہ ز دند

میں نے ایک مقطع میں حال کی جگہ احوال لکھا ہے :

جان غالب تاب گفتار بے گماں داری ہنوز
سخت بے دردی کہ مے پرسی زما احوال ما

آخر مجھ کو اور فیضیح کو معترض سے زیادہ اساتذہ عجم کے کلام پر اطلاع ہے وہ آبستنی کیوں لکھتا اور میں احوال کیوں لکھتا ؟ صائب کی ایک غزل جس کا ایک مصرع ہے :

ہر لحظ دارم نیتے ، چوں قرعہ رما لہا

اس غزل میں اسی نے ایک جگہ احوالہا لکھا ہے ۔ داد کا طالب غالب

'' ملک مغرب ، بلدہ دہلی کٹرہ رودگراں ۔ یہ کیا لکھا کرتے ہو ؟ شہر کا نام اور میرا نام اور میرا نام کافی ہے ۔ محلّہ غلط ۔ ملک زائد ، ہندوستان میں دلی کو سب جانتے ہیں اور دلی میں مجھ کو سب پہنچانتے ہیں ۔

انصاف کا طالب غالب

(۵)

''تیئں کا لفظ متروک اور مردود، قبیح، غیر فصیح، یہ پنجاب کی بولی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے کڑکپن میں ایک اصیل ہمارے ہاں نوکر کر رہی تھی۔ وہ تیئں بولتی تھی تو بی بیاں اور لونڈیاں سب اس پر ہنستی تھیں:

خروش رعد غراں می شود پادر رکاب از بیم
عناں برسینہ چون پیچد کرنگ! برق جولانش

یہ شعر ناطق[۲] ہے اور ناطق قوم کا بلوچ، سندھ کا رہنے والا، اس کا منطق کیا اور اس کی زبان کیا؟ پادر رکاب ہونا عبارت ہے۔ سیر و سفر کے لیے آمادہ مستعد ہونے سے، خواہی منشاء عزیمت خوف ہو، خواہی کوئی اور سبب۔

''عنان برسینہ پیچد، مہمل و محض مہمل، نہ روزمرہ، نہ محاورہ، نہ اصلاح، نہ مفید معنی درنگ، نہ مفید معنی شتاب۔

طیار، صیغہ مبالغے کا ہے۔ لغت عربی، املا اس کی طاے حطی سے طیر ثلاثی مجرد، طائر فاضل طیور جمع، بازداروں میں اس لفظ نے جنم لیا۔ حقیقت بدل گئی۔ طوے تے بن گئی، یعنی جب کوئی شکاری جانور شکار کرنے لگا۔ بازداروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ فلاں باز، فلاں شکرہ، طیار شدہ است وصید مے گیرو، بہ ہر حال اب تاے قرشت سے یہ لفظ نیا نکل آیا لفظ کو مستحدث اور دراصل اردو اور بتاے قرشت اور بعنی آمادہ اشخاص و اشیاء پر عام تصور کرنا چاہیے اور عبارت فارسی میں اس کا استعمال کبھی جائز نہ ہوگا ۱۲

فقیر کے نزدیک نقاب اور قلم اور دہی ترجمہ حضرات یہ تینوں اسم مذکر ہیں، منکر سے مجھے بحث نہیں۔ مجیب کا میں احسان مند نہیں۔ لغت فارسی ہو اور روزمرہ فارسی ہو تو اہل زبان کے کلام سے استناد کریں۔ منطق فارسی میں تذکیرہ و تانیث کہاں؟ پس اس امر کے مالک اور اہل زبان ہم ہیں او یہ ہم صیغہ متکلم مع الغیر ہے یعنی ہم اور تم اور مجموع شرفا اور شعرائے دہلی لکھنو۔ ایسے دس آدمی کا اتفاق سند ہے۔ زیادہ جھگڑا بے فائدہ ۱۲

بنائیں قدر کی غزلیں جناب غالب نے
تمام جوہر تیغ زباں ابھر آئے

---

۱ سرخ رنگ کا گھوڑا۔ ۲ گل محمد خاں ناطق مکرانی، محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ کے عہد میں لکھنو میں رہا۔

غزل کی زے سے یہاں ساکن ہے لیکن یہ سکون جائز نہیں۔ قدم، مفرد قدموں جمع ہے ۱۲ غالب۔

''کھو رہا ہوں۔ متعدی ہے پورب اس کو لازمی جانتے ہیں۔ کھو گیا ہوں۔ ہم کہیں گے۔ جاگتے ہیں۔ اہل پورب کہیں گے، جگتے ہیں۔ جان دول، دل وجگر یہ صحیح جان وجگر ٹکسال باہر ۱۲

''فریاد مونث ہے۔ فریاد کر لینی چاہیے۔ فریاد کر لینا۔ انگریزی بولی ہے۔ فکر مونث ہے:

معشوق کو ہم زاد بنا ناظر فا کو اپنے اوپر ہنسانا ن ہے۔

اندیشہ بلند رو لامکاں نورد

چوں خواست بام جاہ تر نرد باں نہاد
ویدش ہماں بجا چو سپہر از فراز کوہ
بعد از ہزار پایہ کہ برفرقداں نہاد!

پہلے مصرعے میں اندیشہ فاعل ہے خواست کا، جومصرع ثانی میں ہے۔ نہاد بہ معنی مصدری ہے۔ دوسرے شعر میں دید اور نہاد کا فاعل وہی اندیشہ ہے۔ اب ایک بات سمجھو کہ جب پہاڑ کے پاس سے آسمان کو دیکھو گے تو یہ معلوم ہوگا کہ اگر ہم پہاڑ پر چڑھ جائیں تو آسمان کو چھولیں گے۔ مگر جب چوٹی پر پہنچو گے تو آسمان کو اتنا ہی دور پاؤ گے جتنا زمین سے نظر آتا تھا۔ فرقداں ۲ ایک صورت ہے یا ایک کوکب ہے آٹھویں آسمان پر، ہمارے قیاس میں آیا کہ فرقداں پر سے بام جاہ ممدوح نظر آویگا۔ بہت قریبط، ہم فرقداں پر گئے۔ وہاں بھی قریب نہ پایا۔ فرقداں پر ہزار پائی رکھی۔ اس پر چڑھ کے دیکھا۔ تو بام ممدوح میں اور اس مقام میں اتنا ہی بعد ہے جتنا پہاڑ میں اور آسمان میں۔ یہ مبالغہ تبلیغ وغلو سے گزر گیا ۱۲

''لگا دیتے ہو، اور اٹھا دیتے ہو۔ خطاب جمع حاضر ہے اور تعظیما مفرد پر آتا ہے۔ یعنی تم، معشوق مجازی کو، تم اور تو دونوں طرح یاد کرتے ہو۔ خدا کو تو کہتے ہیں یا صیغہ جمع غائب یعنی صیغہ جمع غائب کا، نظر قرینہ، افادہ قضاوقدر کا رکھتا ہے۔ تمہاری غزل میں دو چار جگہ دیتے ہو۔ اس طرح آیا ہے کہ محبوب مجازی اس سے مراد کبھی نہیں ہوسکتا:

لا کے دنیا میں ہمیں زہر فنا دیتے ہو
ہائے اس بھول بھلیاں میں دغا دیتے ہو

کہو کس سے کہتے ہو؟ سوائے قضا و قدر کے کوئی رنڈی، کوئی لونڈا اس کا مخاطب نہیں ہو سکتا۔ اور علی ہذا القیاس دو ایک شعر اور بھی۔ نا چار صیغہ، جمع رکھ دیا تا کہ خوباں اور بتاں کی طرف ضمیر راجع ہو یا شخص واحد کی طرف، آپ کے لفظ کے ساتھ یا قضا و قدر کی طرف، اب خطاب معشوقان مجازی اور قضا و قدر میں مشترک رہا[3] ۱۲ غالب

---

[1] دونوں شعر میرزا غالب کے ہیں۔ دیکھئے قصیدہ ہشتم فارسی موسوم، بہ رطل گراں کلیات میں پہلے شعر کا دوسرا مصرع یوں ہے:

چوں خواست بام کاخ ترا نردباں نہاد

یعنی جاہ کی جگہ کاخ ہے۔[2] قطب کے پاس دو تارے جن میں سے ہر ایک کو فرقد کہتے ہیں اور دونوں کو فرقدان یا فرقدین، یہ شام سے صبح تک درخشاں رہتے ہیں۔

[3] مطلب یہ کہ ہو کی جگہ ہیں بنا دیا۔

س: بود اور باشد کے دونوں صیغے مضارع کے ہیں بہ معنی "ہست" آتے ہیں یا نہیں ۱۲ قدر،

ج: البتہ آتے ہیں ۱۲ غالب

س: نظم و نثر میں ماضی مطلق کا ماضی استمراری کے معنی پر لکھنا کیسا ہے؟ قدر

ج: بے جا ہے۔ جب تک علامت استمرار نہ ہو، معنی استمراری کیوں کر لیے جائیں؟ غالب

س: پارسی میں مصدر مقتضب اور غیر مقتضب کی کیا شناخت ہے؟ قدر

ج: خود عربی میں مصدر کی صفت مقتضب ،نہیں آئی۔ فارسی میں کہاں سے ہوگی؟مقتضب صفت بحر کی ہے، نہ صفت مصدر کی۱۲ غالب

س: کس قسم کے مصدر لازمی سے مصدر متعدی بنتا ہے اور کس طور کے مصدر سے نہیں بنتا ہے۱۲ قدر

ج: جب لازمی کو متعدی کرنا چاہیں تو مضارع میں سے مصدر بنائیں اور اس میں فقط الف نون یا الف نون اور تحتانی بڑھائیں۔ مثال گشتن کو گشتا ندن، نہ لکھیں گے ۔گردو سے مصدر بنائیں گے ۔گریدن اور اس کو گرداندن اور گر دانیدن، کہیں گے ۔جس مصدر کے ساتھ مضارع نہ ہوگا۔وہ متعدی بہ بنے گا۔ جیسے برشتن ،اور خستن۱۲ غالب۔

س: پناہ کا ترجمہ لغت اردو میں کیا آتا ہے؟

ج: اردو مرکب سے فارسی اور ہندی سے ۔یعنی پناہ کا لفظ مشترک ہے اردو اور فارسی میں۔ پناہ کا ترجمہ اردو میں پوچھنا نادانی ہے۔ہاں پہناہ کی ہندی آسرا ہے۔

’’برنہ آنا۔فصیح نہ برآنا۔ٹکسال باہر، قافیہ ہائے اصلی لفیہ سیکڑوں ہیں۔ان کو چھوڑ کر نسخہ ارنامہ اور افسانہ ان الفاظ کو قافیہ کرنا تمہارے نزدیک نا مناسب نہیں؟ ایسا قافیہ غزل بھر میں ایک جگہ لکھو۱۲ غالب

(۶)

حضرت،

آپ کے خط کا غذ باریک اور ایک طرف سے سراسر سیاہ، دوسری طرف اگر کچھ لکھا جائے تو میری تحریر ایک طرف تم خود اپنی عبارت کو درست نہ پڑھ سکو گے۔ ناچار جدا گانہ ورق پر سوالات کا جواب لکھتا ہوں۔

''رنگ بہ وزن سنگ، ترجمہ لون اور لفظ فارسی الاصل ہے۔ جب اس کو اردو میں منصرف یا بقول بعضے منصرف کریں گے تو نون کا تلفظ موہوم سا رہ جائے گا۔

''رنگنا بہ وزن چندجا، نہ کہیں گے بلکہ وہ لہجہ اور ہے جیسا کہ اس مصرع میں:

ہم نے کپڑے رنگے ہیں شنگرفی

یہ صحیح اور فصیح ہے:

ہم نے رنگے ہیں کپڑے شنگرفی

یہ اعلان نون گنواری بولی اور غیر صحیح اور قبیح ہے۔

خرام کو کون مونث بولے گا مگر وہ کہ دعوی فصاحت سے ہاتھ دھوئے گا۔ رفتار، مونث اور خرام مذکر ہے۔ رفتار کی تانیث کو خرام کی تانیث کی سند ٹھہرانا قیاس مع الفارق ہے۔

حرف مسروری جس کو ثنائی بھی کہتے ہیں۔ موحدہ سے زائے معجمہ تک الف کی جگہ تحتانی بھی قبول کرتے ہیں۔ مولی آل نبی سہارن پوری اور مولوی امام بخش دہلوی میں اس بات پر جھگڑا ہوا۔ مولوی امام بخش با کو بے کہنا جائز نہیں رکھتے تھے۔

آخر مولی آل نبی نے ائمہ فن کلام کے کلام سے اس کا جواز ثابت کر دیا۔ مگر صرف از روے تلفظ اس کی اجازت، کوئی قاعدہ خاص اس کے واسطے نہیں۔ اردو میں طا کو طوے اور ظا کو ظوے کہتے ہیں اور باقی حروف کے آخر میں تحتانی بولتے ہیں۔ لسان عرب وعجم میں موحدہ سے زاے معجمہ تک اواخر حروف میں الف بھی لاتے ہیں اور تحتانی بھی، طا ظا کو طا ظاہی کہیں گے۔ نہ طوے، ظوے، نہ طے ظے علی ہذا القیاس حروف باقیہ۔

انوری:

ز غایت کرم اندر کلام نے نیست
اعتقاد تو ضداست نوں مگر یے را
بعہد جود تو دائم بیک شکم زاید
زمانہ صوت سوال و صدے ''آرے'' را

(۷)

حضرت،

کا فرماتے ہو؟ ''ہوا بھی ہو، قضا بھی ہو۔ اس ردیف کیساتھ قافیہ معمولی آ نہیں سکتا۔ بتیابی ہو'' مہتابی ہو۔ کیونکر درست ہوگا؟ وہاں موحدہ ک مابعد ہاے ہوز ہے۔ یہاں موحدہ کے آگے نہیں، چاپی کہ باے فارسی اور یاے حطی ہے، کاپی اور راپی یہ قافیہ ہمدگر ہو سکتے ہیں۔ چاپی لغت انگریزی ہے۔ اس زمانے میں اس اسم کا شعر لانا جائز ہے، بلکہ مزا دیتا ہے۔ تار بجلی دوخانی جہاز کے مضامین میں نے اپنے یاروں کو دیے ہیں۔ اوروں نے بھی باندھے ہیں۔ روبکاری اور طلبی اور فوجداری اور سررشتہ داری، خود یہ الفاظ میں نے باندھے ہیں۔ چاپی بہ معنی کلید شوق سے لکھو، نہ چابھی نا سخ لکھتا ہے: میم صاحب کے آگے کے الفاظ بھول گیا، آخر مصرع یہ ہے:

.....مس کے ناز بے جا اٹھاؤں کس کس کے ل

الٰہی بخش خاں معروف لکھتے ہیں:

نگیں دل سو اکھودے تو گھر نیلام ہو جائے

صاحب، ل تم نے مثنوی خوب لکھی۔ کہیں املا میں کہیں انشاء میں جو اغلاط تھے دور کے اور ہر اصلاح کی حقیقت اس کے تحت میں لکھ دی۔ فکر تاریخ مثنوی سے مدت العمر معاف رہوں ۱۲ والسلام غالب

۱۲۷۴ مطابق ۱۸۵۸

(۸)

مشفق میرے،

میں بعد آپ کے جانے کے دلی سے رام پور آیا اور یہاں میں نے آپ کا دوسرا خط پایا۔ پہلا خط مجھے دلی میں پہنچا تھا۔ مگر چونکہ اس خط میں آپ کے مسکن کا پتا نہیں لکھا تھا۔ میں تحریر جواب میں قاصر رہا۔ اب جو یہ خط رام پور پہنچا۔ اس میں پتا مرقوم تھا۔ میں پاسخ نگار ہوا۔ آپ کے مسودات ایک بکس میں تھے۔ وہ بکس وہیں رہا۔ اب جب تک دلی نہ جاؤں گا۔ انکو نہ پاؤں گا اور ایک آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ جب میں دلی تھا تو ایک خط میاں نوروز علی خاں کا تمہارے نام بہ نشان میرے مقام کے آیا تھا۔ چونکہ ان دنوں میں مجھ کو آپ کا مسکن معلوم نہ تھا۔ میں نے اس پر لکھ دیا کہ وہ بلگرام گئے۔ خدا جانے تمہارے پاس وہ خط پہنچا یا نہیں؟

برخوردار میرزا عباس! کو دوبارہ تحریر کی حاجت نہیں۔ اگر وہ سعادت مند ہیں تو وہی ایک خط کافی ہے۔ اب آپ مجھ کو خط بھیجے۔ تو رام پور بھیجے۔ پتا مقام کا کچھ ضرور نہیں۔ رام پور کا نام اور میرا نام کفایت کرتا ہے

۱۸۶۰ء　　خوشنودی کا طالب، غالب

(۹)

سید صاحب،

تمہارا مہربانی نامہ مع دو غزلوں کے پہنچا۔ جواب کے لکھنے میں اگر درنگ ہوئی تو آزودہ نہ ہونا۔ اب غزلوں ل کو دیکھا۔ کہیں حک و اصلاح کی حاجت نہ پائی۔ مدعا نے خاص کا جواب یہ ہے کہ اجزاے خطابی یہاں شامل اسم نہیں ہیں۔ صرف اسم مبارک خطووعرائض پر لکھا جاتا ہے۔ رہا قصیدے کا بھیجنا۔ زاید محض اور بے فائدہ۔ اگر میں یہاں رہتا اورتم بھی تکلیف رہروی اٹھاتے اور یہاں آتے اور قصیدہ گزرانتے تو بطریق صلہ کچھ ملنے کا احتمال تھا۔ یہ طرز کو تم بھیجو اور میں گزرانوں، اس سے قطع نظر کہ احتمال نفع بھی نہیں رکھتی۔ یہ توسط میرے خلاف وضع ہے۔ مجھ کو معاف رکھیے۔ اوراب جو خط بھیجے۔ دلی کو بھیجے گا کہ میں اس مہینے میں ادھر کو جاؤں گا۔ رویت ہلال ماہ صیام اغلب ہے کہ دلی میں ہی ہو۔ والسلام مع الکرام

سہ شنبہ ۱۳۔ مارچ ۱۸۶۰ء غالب

(۱۰)

سعادت و اقبال نشان میر غلام حسین کو غالب گوشہ نشین کی دعا پہنچے۔ حضرت کشفی کے دیوان کے انطباع کی تاریخ اچھی ہے۔ کہیں اصلاح کی حاجت نہیں۔ مگر دوسری تاریخ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس فن کے قاعدے کے موافق مصرع تاریخ میں سے تکلف کے عدد نکالنے چاہیں یعنی پانسو تیں:

کلوخ | انداز | پاداش | سنگ | است

ا میرزا غالب کے بھانجے ڈپٹی کلکٹر تھے۔ غالبا قدر نے ان کے پاس سفارش لکھوائی تھی۔

اس مصرع کے اعداد میں اتنی گنجائش کہاں کہ پانسو تیں نکل جائیں اور ۱۲۷۸ بچ رہیں؟

صاحب، تم بہت دن سے بے کار ہو۔ ایک جگہ مساعدت روزگار کی صورت ہے۔ تم بے تکلف میرا یہ رقعہ مہری لیکر لکھنو چلے جاؤ۔ مطبع اودھ اخبار میں میرے شفیق دلی یعنی منشی نولکشور صاحب سے ملو اور یہ رقعہ انکو پڑھوا دو۔ اپنی نظم ونثر انکو دکھاؤ اور اپنا مبلغ علم ان پر ظاہر کرو۔ اگر وہ اپنی مرضی کے موافق تم کو کارگزار سمجھیں گے تو مطبع کا کام تمہارے سپرد کر دیں گے۔ مشاہرہ خاطر خواہ تم کو مقرر ہو جائے گا۔ معزز ومکرم رہو گے۔ زندگی کا لطف اٹھاؤ گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جلد چلے جاؤ۔ لکھنو تم سے نزدیک ہے اتنی راہ کا قطع کرنا کچھ دشوار نہیں۔ اگر نوکر نہ ہو جاؤ گے۔ پھر چلے آنا، بخت آزمائی ہے۔

(۱۱)

بندہ پرور،

آپ کا خط لکھنو سے آیا۔ حالات معلوم ہوئے۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ کیا کام آپ کے سپرد ہوا ہے۔ یہ بھی لکھیے چند روز صبر کرو۔ اگر وطن میں ہوتے تو اس بے کاری میں گھر کی خبر کیا لیتے؟ جس طرح گزرتی۔ اب بھی گزر جائے گی۔ بلکہ تمہارا خرچ کم ہو گیا۔ بہ ہر حال ابھی اضافے کے واسطے نہ تم کہو۔ میں لکھوں۔ دو چار مہینے کام کرو۔ اس اثنا میں اگر بلگرام میں چھاپے خانہ جاری ہو گیا تو استعفا دے کر چلے جائیو۔ یہاں بعد چند روز کے اضافہ ہونا بھی حیز امکان سے باہر نہیں۔

۱۸۶۱ء

(۱۲)

سید صاحب، سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین صاحب کو غالب کی دعا پہنچے۔ آپ کا خط آیا اور میں نے اس کا جواب بھجوایا۔ اس رقعہ کی تحریر سے مراد یہ ہے کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہیے اور یہ رقعہ ان کو پڑھا کر عرض کیجیے کہ غالب پوچھتا ہے کہ فارسی کی کلیات کا چھاپا ملتوی یا جاری ہے؟ ملتوی ہے تو کب تک کھلے گا؟ جاری ہے تو صحیح کس کے طور پر ہے؟ قصیدہ اور تاریخ کلیات کا مطبع میں پتا لگا ہے یا نہیں؟ اگر وہ دونوں کاغذ گم ہو گئے ہوں تو مثنی بھیج دوں۔

یوسف میرزا صاحب، بذریعہ میرے خط کے آپ سے مل گئے ہیں یا نہیں؟ قاطع برہان کے اجزا کی جلدیں بندھ گئے ہیں یا نہیں؟ اگر بندھ گئی ہوں تو جناب منشی صاحب سے کہہ کر وہ جو پچاس جلدیں میں نے لی ہیں ان میں سے ایک جلد لے کر جناب فیض مآب، خداوند نعمت، آیہ رحمت، قبلہ و کعبہ جناب مجتہد العصر کی خدمت میں حاضر ہو اور میری طرف سے کورنش عرض کرو اور کتاب نذر کرو اور کہو کہ غلام نے بہت خون جگر کھا کر فارسی کی تحقیق کو اس پایے پر پہنچایا ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ یہ مجال کہاں کہ داد کا طلبگار رہوں۔ صرف عز قبول کا امیدوار ہوں۔

سمجھے سید صاحب، منشی صاحب سے چار سوالوں کا جواب اور قبلہ و کعبہ فرمائیں۔ اس تقریر میں تغیر بالمرادف[1] بھی

---

[1] یعنی جو کچھ وہ فرمائیں۔ اسے لفظاً لفظاً لکھیں کسی لفظ کی جگہ کوئی دوسرا ہم معنی لفظ

نہ ہو۔ جو الفاظ حضرت کی زبان سے سنو، ہو بہو لکھ بھیجو۔

ہاں مولوی ہادی علی صاحب کو جو حال معلوم ہو، وہ بھی ضرور لکھنا اور اس خط کا جواب بہت جلد بھیجنا، بھائی صاحب، ازراہ احتیاط تلف ہونے کے ڈر سے اس خط کو بیرنگ بھیجتا ہوں۔

دوشنبہ پنجم ذی القعدہ مئی سال رستاخیز، ۵۔ ذی قعدہ، ۱۲۷۷ مطابق ۵۔ مئی ۱۸۶۲ء

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(۱۳)

سید صاحب،

آپ کا خط جسمیں قبلہ و کعبہ کا مہری و دستخطی توقیع ملفوف تھا۔ پہنچا۔ میں تم سے بہت راضی ہو کہ تم نے تکلیف اٹھائی اور میری نذر وہاں پہنچائی۔ اب ایک اور تکلیف دیتا ہوں کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہہ کر ان کے حکم سے ایک اور نسخہ قاطع برہان کا مطبع میں سے لو اور مکان معلوم کر کے جناب مفتی عباس صاحب کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو اور کتاب دو اور عرض کرو کہ جو خون جگر میں نے اس تالیف میں کھایا ہے۔ یقین ہے کہ اس کی داد تمہارے سوا اس اور سے نہ پاؤں گا۔

ہاں صاحب، منشی صاحب سے یہ کہہ دینا کہ پچاس میں سے تین جلدیں میں نے پائیں۔ اب قیمت کا روپیہ بھیج کر سینتالیس اور منگائے لیتا ہوں۔ کلیات کے انطباع کی تاریخ میں کیوں لکھوں؟ اہل مطبع کو خدا منشی صاحب کے سایہ عطوفت میں سلامت رکھے، کہہ لیں گے۔ چھاپا ۷۸ (۱۲۷۸) میں شروع ہوا۔ ۷۹ (۱۲۷۹ھ) میں تمام ہوگا۔ مولوی ہادی علی صاحب کے مطبع میں آنے کا حال تم لکھو اور کلیات کے کاپی نگار کے آنے کا بھی حال معلوم کر کے لکھو۔

۲۴۔ مئی ۱۸۶۲ء

جواب کا طالب،

غالب

سید صاحب،

آپ نے خوب کیا کہ مفتی میر عباس صاحب کا ہدیہ غیر کو نہ دیا۔ اپنے پاس امانت رکھیے۔ جب مفتی صاحب آئیں ان کو پہنچا دیجئے۔

تمہارا قصد یکم جون کو بلگرام جانے کا تھا۔ وہاں کے ہنجار میں کچھ سستی پائی و فسخ عزیمت کیا؟ اس کی کیفیت ضرور لکھیے اور جو تم نے سپارش کے باب میں لکھا ہے۔ میں اس خواہش کو کیوں کر قبول کروں؟ وہ شخص میرا شاگرد نہیں۔ مرید نہیں، صورت آشنا بھی تو نہیں۔ کیوں کر لکھوں؟ معہذا تمہارے واسطے میرا لکھنا مضر ہے۔ یعنی وہ صاحب، سمجھیں گے کہ حضرت نے کچھ میری شکایت و کایت لکھی ہوگی۔ جب غالب نے مجھ کو یہ لکھا ہے۔

اس وقت آپ کی وحشت انگیز تحریر پہنچی۔ ادھر اس کو پڑھا یہ خط تمہیں اور ایک مرزا عباس[1] کو اور ایک خط تہنیت کا منشی صاحب کو لکھا۔ لیکن چونکہ بلا و شر قیہ کو ڈاک نو دس بجے روانہ ہوتی ہے۔ ناچار یہ تینوں خط بند کر کے تمہارا اور مرزا عباس کا خط بیرنگ اور منشی صاحب کا خط پیڈ رکھ کر چھوڑتا ہوں۔ کل صبح کو بعد از طلوع آفتاب ڈاک میں بھجوا دوں گا، ۔خاطر جمع رکھو۔ میں نے برخوردار کو ایسا کچھ لکھا ہوگا کہ مفید طلب ہوگا۔ ان شاءاللہ العلی العظیم،

چہار شنبہ بارہ پر تین بجے (ذی حجہ ۱۲۷۸ھ مطابق جون ۱۸۶۲ء

خوشنودی احباب کا طالب، غالب

---

[1] میرزا کے بھانجے

(۱۵)

صاحب،

واللہ، سوائے اس خط کے تمہارا کوئی خط نہیں آیا۔ کیسے چار خط تم نے بھیجے۔ کیوں باتیں بناتے ہو۔ یہاں بھی ٹکٹ پر تحریر کی ممانعت ہے۔ بہتر یہی ہے کہ طرفین سے خطوط بیرنگ بھیجے جائیں کہ یہ قصہ مٹ جائے۔ برخوردار میرزا عباس کی بدلی کی خبر میں نے پہلے ہی سے سنی ہے۔ مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں گئے۔ اب دریافت ہوا کہ تمہارے ہمسایے میں آئے ہیں۔ اب ان سے ملیے، خدا ان کی مروت کی توفیق دے۔

مطلع میں اپنا نام لکھنا رسم نہیں ہے۔ میر کا تخلص اور صورت رکھتا ہے۔ میر جی اور میر صاحب کر کے وہ اپنے کو لکھ جاتا ہے اور اس بدعت کا تتبع نہ چاہیے

غالب

(۱۶)

صاحب،

تم سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے۔ کہ جب تم جانتے ہو کہ میرزا عباس میری حقیقی بہن کا بیٹا ہے تو پھر میں میرزا کی اولاد کا نانا کیوں کر بنا؟ میرزا کی بی بی میری بہو ہے بیٹی نہیں۔ تم نے جو کچھ لکھا ہے کہ میرے نواسے کی شادی ہے۔ کیا سمجھ کر لکھا؟ میں مرزا کی اولاد کا نانا کیوں کر بنا؟ بھانجے کی اولاد پوتا پوتی ہے۔ نہ نواسا نواسی، مجھ کو اس کی اولاد کا جد فاسد لکھنا ٹکسال باہر بات ہے۔

خیر، یہ تو ظرافت تھی، تم یہ تو بتاؤ کہ میرزا لکھنو کیوں جاتا ہے؟ اگر کچھ اسباب خریدنا تھا تو ایک معتمد کو بھیج دیا ہوتا۔ بذات خود اس تکلیف بے جا کو گوارا کرنا کیا ضرور؟ یہ بات جواب طلب ہے۔

میرے آنے کی یہ صورت ہے کہ میرزا کی استدعا سے قطع نظر، میرا دل بھی تو پتھر یا لوہے کا نہیں جو اپنے بچوں کو دیکھنے کو نہ چاہے۔ ایک بہن اس کی مجموع اولاد ہاں، میرا تو وہ خانہ باغ ہے۔ بہار کے موسم میں باغ کی سیر کو جی نہ چاہے گا۔ بشرط صحت آؤں گا۔ انشاءاللہ

صبح یکشنبہ ۳۔ رمضان ۲۲۔ فروری سال حال

(۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۳ء)

(۱۷)

میر صاحب،

ماجرا یہ ہے کہ میں ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں سیدھی صف میں دسواں لمبر اور سات پارچے اور تین رقم جواہر خلعت پاتا تھا۔ غدر کے بعد پنشن جاری ہوگیا۔ لیکن دربار اور خلعت بند۔ اب کے جو لارڈ صاحب یہاں آئے تو اہل دفتر نے بموجب حکم مجھ کو اطلاع دی کہ تمہارا دربار اور خلعت واگزشت ہوگیا۔ مگر دلی میں دربار نہیں۔ انبالہ آؤ گے تو دربار میں لمبر اور خلعت معمولی پاؤ گے۔ میں نے خبر میں وجدان کا مزا پایا اور انبالہ نہ گیا۔ رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب یہاں آئے۔ دربار کیا، میں دربار میں نہ گیا۔ دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چپراسی آ کر مجھ کو بلا لے گیا۔ بہت عنایت فرمائی اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا۔!

آغاز دیوان کے شعر میں یعنی مطلع میں ہرگز حروف والفاظ کی قید نہیں ہے۔ ہاں ردیف الف کی، یہ امر قابل پرسش کے نہیں، بدیہی ہے۔ دیکھ لو اور سمجھ لو، یہ جو صاحب دیوان مشہور ہیں۔ حافظ و صائب و کلیم و سلیم، ان کے آغاز کی غزل کے مطلع دیکھو اور حروف والفاظ کا مقابلہ کرو۔ کبھی ایک صورت، ایک ترکیب، ایک زمین ایک بحر نہ پاؤ گے۔ چہ جائے اتحاد حروف والفاظ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

۱۸۶۳ء

(۱۸)

صاحب،

میں برس دن سے بیمار تھا۔ایک پھوڑا اچھا ہوا۔دوسرا پیدا ہوا۔اب فی الحال دونوں پانو ہاتھوں میں نو پھوڑے ہیں، دونوں پانو پر دو پھوڑے پنڈلی کی ہڈی پر ایسے ہیں کہ جن کا عمق ہڈی تک ہے۔انھوں نے مجھ کو بٹھا دیا۔اٹھ نہیں سکتا۔ حاجتی دھری رہتی ہے۔پلنگ پر سے کھسل پڑا۔پھر پڑ رہا۔روٹی بھی اسی طرح کھا تا ہوں۔پاخانے کیا کہوں کیوں کر جاتا ہوں۔صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں۔یہ سطور لیٹے لیٹے لکھے ہیں۔نیم مردہ ہیں۔قریب بمرگ ہوں۔افادہ واستفادہ واصلاح کے حواس نہیں۔غزل رہنے دی۔یہ حال تم تو لکھ بھیجا۔

شنبہ۔۲۔اگست۱۸۶۳ء نجات کا طالب ،

غالب

(۱۹)

سید صاحب،

تم نے جو خط میں برخوردار کامگار میرزا عباس بیگ خان بہادر کی رعایت او رعنایت کا شکریہ ادا کیا ہے۔ تم کیوں شکر گزار ہوتے ہو؟ جو کچھ نیکی اور نکوئی اس اقبال نشان نے تمہارے ساتھ کی ہے۔ اس کا سپاس میں ادا کروں۔

---

[1] یہ واقعہ ۳۔ مارچ ۱۸۶۳ء کا ہے۔ جیسا کہ میرزا نے خواجہ غلام غوث کے نام ایک خط میں لکھا ہے۔

خدا کی قسم دل سے دعائیں دے رہا ہوں۔ بھائی، اس کا جوہر طبع از رو سے فطرت شریف ہے۔ پروردگار اس کو سلامت رکھے اور مدارج اعلیٰ کو پہنچائے۔ یہ اپنے والد کے خاندان کا فخر ہے۔ اور چونکہ اس کی ماں کا اور میرا لہو اور گوشت او رہڈی اور قوم اور ذات ایک ہے۔ پس وہ فخر میری طرف بھی عائد ہوتا ہے۔ وہ اپنے جی میں کہتا ہوگا کہ ماموں میری بیٹی کے بیاہ میں نہ آیا اور صرف زر سے جی چرایا۔ میں تو زر کو خاک و خاکستر کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ مگر کیا کروں کہ مجھ میں دم ہی نہ تھا۔ کاشکے جب ایسا ہوتا جیسا اب ہوں تو سب سے پہلے پہنچتا۔ جی اس کے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے دیکھوں اس کا دیکھنا کب میسر آتا ہے۔ میں اب اچھا ہوں۔ برس دن صاحب فراش رہا ہوں۔ چھوٹے بڑے زخم باراں اور ہر زخم خون چکاں، ایک درجن پھایے لگ جاتے ہیں۔ جسم میں جتنا لہو تھا۔ پیپ ہو کر نکل گیا۔ تھوڑا سا جو جگر میں باقی ہے۔ وہ کھا کر جیتا ہوں۔ کبھی پیتا ہوں۔ مرض کے آثار

میں سے اب بھی یہ نشان موجود ہے کہ دونوں پانو کی دو دو انگلیاں ٹیڑھی ہوگئی ہیں۔ معہذا متورم ہیں۔ جوتا نہیں پہنا جاتا۔ ضعف کا تو بیان ہو ہی نہیں سکتا۔

مگر ہاں یہ میر اشعر:

در کشاکش ضعفم نگذلد رواں از تن
ایں کہ من نمے میرم ہم ز ناتوانی ہاست

اب کے رجب یعنی ماہ آیندہ کی آٹھویں تاریخ سے سترواں برس ہوگا:

چو ہفتا و آمد اعضا رفت از کار

پس اب شکوہ ضعف نادانی ہے، ایمان سلامت رہے

سہ شنبہ ۲۴۔ نومبر ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب، غالب

(۲۰)

قرۃ العین میر غلام حسنین سلمکم اللہ تعالیٰ

تمہارا خط پہنچا۔ دل خوش ہوا۔ مولوی نجف علی صاحب کی کیا تعریف کرتے ہو؟ تم کچھ لکھو تو جانوں، واللہ! اگر کبھی مولوی صاحب میرے گھر آئے ہوں یا میں نے ان کو دیکھا ہو، چہ جائے اختلاط وارتباط صرف، بہ رعایت جانب حق چند کلمات انھوں نے لکھے ہیں۔ تم میرے یار رہو اور میری خدمت گزاری کے حقوق ہیں تم پر، مجھ کو مدد دو اور اپنی قوت علمی صرف کرو، محرق قاطع برہان، میرے پاس موجود ہے مجھ سے منگواؤ۔ میں ہر موقع پر خطا اور زلت[1] مولف کا اشارہ کردوں گا۔ تم ہر فقرے کو بغور دیکھو اور بے ربطی الفاظ اور لغویت معانی کو میزان قطر میں تولو، عامی نہیں ہو، عالم ہو، آخر مولوی نجف علی صاحب نے بھی تو اپنی قوت عاقلہ سے بے اعانت غیر محرق کے جامع کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ تمہارے پاس دو نسخے، ایک دافع ہذیان ایک سوالات عبدلکریم مع استفتاء و افتاء دستخطی علماء دہلی موجود ہیں اور اب اس کتاب کے ساتھ میرے اشارات سودمند پہنچیں گے، تم کو معارضہ بہت آسان ہوگا۔ مدعی کا کلام دراصل لغو پھر تمہارے پاس سرمایہ علمی موجود اور یہ تین نسخے معقول اس پر مزید علیہ۔

---

[1] یعنی لغزش

اس پر محرق کا خاکہ اڑ جائے گا۔ میرے پاس اس خط کے پہنچتے ہی جواب لکھیے اور اجازت بھیجیے کہ میں نسخہ مطبوعہ نامطبوعہ محرق، بسبیل ڈاک بھیج دوں۔ مگر جس

دن سے کہ کتاب پہنچ جائے ۔اسی دن سے آپ اردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجئے اور بعد اختتام مجھے اطلاع دیجیے ۔پھر میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے ۔

غالب اثناعشری حیدری۔

ہاں صاحب ،آغا محمد حسین ناخدائے شیرازی کا خط مع استعار آیا اور میں نے اس کا جواب بھجوایا۔اب جو ڈھونڈا تو میرا مسودہ ہاتھ آیا۔مگر آغا کا خط نہ آیا۔اس مسودہ کو صاف کر کے تمہارے پاس بھیجتا ہوں ۔آغا صاحب کا جب خط نکل آوے گا۔وہی بھی بھجوا دیا جائے گا۔

سعادت واقبال نشان میرزا عباس بیگ خاں کو میری دعا کہنا اور یہ ورق ان کو سراسر پڑھا دینا۔!

(۲۱)

سید صاحب،

تم قدر او رنور چشم میرزا عباس قدر دان ، خاطر جمع رکھو، نوکری تمہارے ہو جائے گی۔ صاحب کی اور راجا کی تعریف کے قصیدے واقعی گلدستے ہیں۔ مگر میرزا کی مدح کے قصیدے کو گلدستہ نہ کہو۔ یہ تو ایک باغ ہے سرسبز شاداب، جس میں گلبن ہزار و ہزار، میوہ دار درخت بے شمار، زمین سراسر سبزہ زار، بہت حوض بہت نہریں، مٹی نظر نہیں آتی۔ سبزہ یا لہریں۔ فقیر غالب تمہارا خیر خواہ اور تمہارے ممدوح کا دعا گو ہے۔

۱۲۸۲ھ۔ ۱۸۶۵ء

حضرت،

فقیر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے۔ اصلاح دینے سے توبہ کی ہے۔ شعر سننا تو ممکن ہی نہیں شعر دیکھنے سے نفرت ہے۔ پچھتر برس کی عمر[۳] پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں۔ ساٹھ برس بکا نہ مدح کا صلہ ملا، نہ غزل کی داد، بقول انوری:

اے دریغا نیست ممدوحے سزا دار مدیح
وے دریغا نیست معشوقے سزاوار غزل

سب شعرا اور احباب سے متوقع ہوں کہ مجھے زمرہ شعراء میں شمار نہ کریں اور اس فن سے کبھی پرسش نہ ہو۔

اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالب والمخاطب بہ نجم الدولہ، خدا لیش بیا مرزاد

---

[۱] اس خط کے ساتھ آغا محمد حسین شیرازی کے نام کا فارسی خط بھی بھیجا تھا۔ جسے فارسی مجموعے میں دیکھنا چاہیے۔ مجموعہ اردو میں اسے شامل نہیں کیا جا سکتا۔ [۲] صاحب سے مراد ولیم ہینڈ فورڈ ڈائرکٹر تعلیمات اور راجا سے راجا مان سنگھ ہیں۔ [۳] پچھتر برس کی عمر نہیں ہوئی۔ یونہی لکھ دی۔

اختتام ــــــــــــــــــــــــــــــ حصہ چہارم